انتخاب

اردو کلیات غالب

شمس الرحمٰن فاروقی

Scanned by CamScanner

انتخاب اردو کلیاتِ غالب

rekhta

Scanned by CamScanner

rekhta
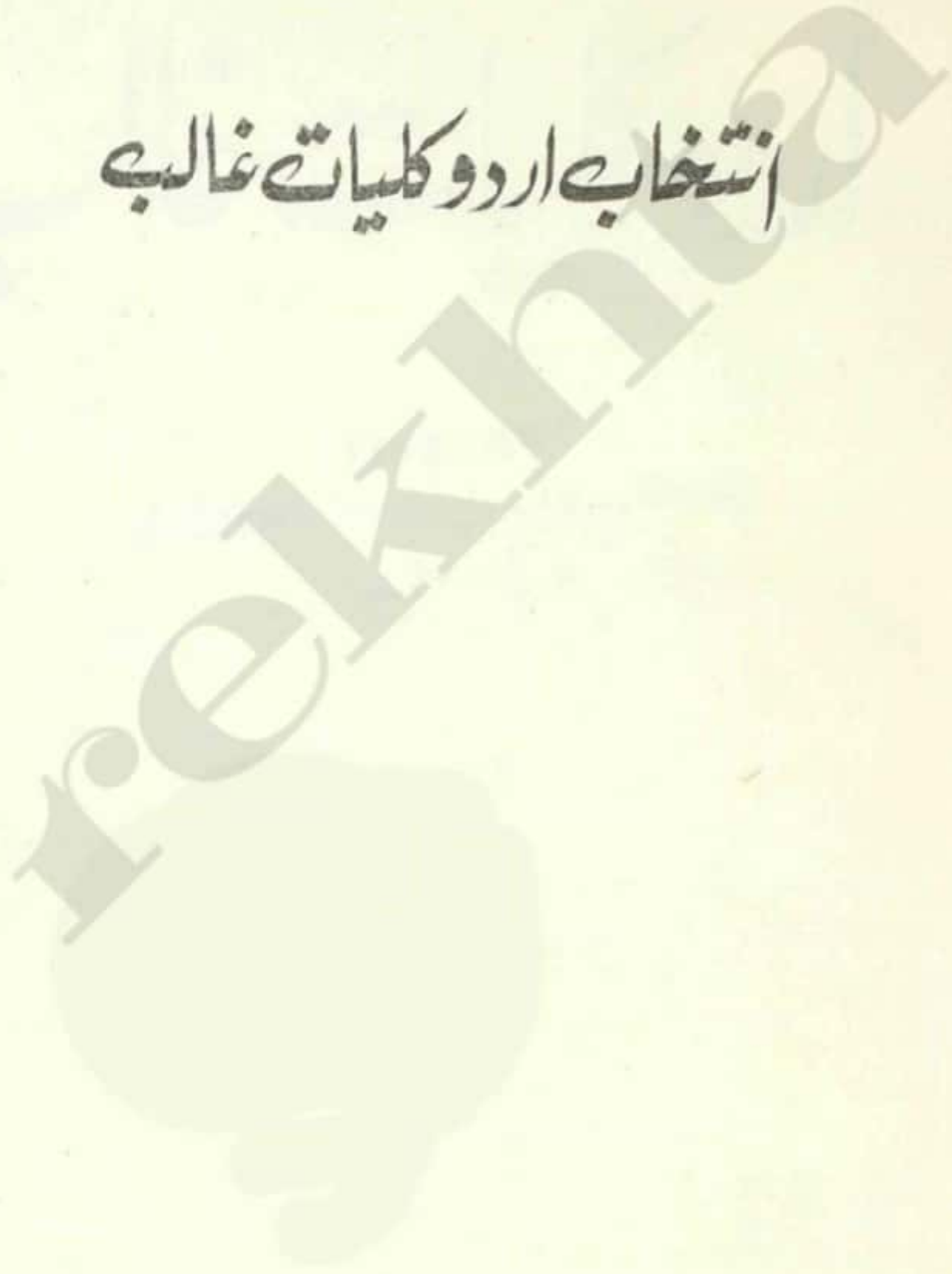
سرورق کے آخری صفحہ پر سنگ تراشی کے جس نمونے کی تصویر دی گئی ہے، اس میں تین جیوتشی بھگوان بدھ کی ماتا مہارانی مایا کے خواب کی تعبیر بیان کر رہے ہیں۔ اور ان کے نیچے ایک کاتب بیٹھا ان کی تعبیر قلمبند کر رہا ہے۔

یہ شاید ہندستان میں لکھنے کے فن کی قدیم ترین تصویری مثال ہے۔

(ناگ ارجن کونڈ۔ دوسری صدی عیسوی)

(بشکریہ نیشنل میوزیم۔ نئی دلی)

Scanned by CamScanner

انتخاب

اردو کلیات غالب

مع

دیباچہ

شمس الرحمٰن فاروقی

ساہتیہ اکادمی

rekhta

Scanned by CamScanner

Intakhab Urdu Kuliyat-e-Ghalib : A selection from the poetry of Mirza Ghalib in Urdu, compiled by Shamsur Rahman Faruqi. Sahitya Akademi, New Delhi (1993), Rs.75.

© ساہتیہ اکاڈمی

پہلا ایڈیشن : ۱۹۹۳ء

ساہتیہ اکادمی

ہیڈ آفس :
رویندر بھون، ۳۵۔ فیروز شاہ روڈ۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱
سیلس آفس : 'سواتی'، مندر مارگ۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

علاقائی دفاتر:

جیون تارا بلڈنگ۔ چوتھی منزل، ۲۳ اے/۴۴ ایکس۔ ڈائمنڈ ہاربر روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۵۳
۱۷۲، ممبئی مراٹھی گرنتھ سنگھرالیہ مارگ، دادر، بمبئی ۴۰۰۰۱۴
۳۰۴۔ ۳۰۵۔ انا سلائی، تینام پیٹھ۔ مدراس ۶۰۰۰۱۸
۱۰۹۔ جے۔ سی روڈ۔ بنگلور ۵۶۰۰۰۲

ISBN 81-7201-364-7

قیمت :۔ ۷۵ روپئے

طابع :۔ اے ون آفسٹ پرنٹرس۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

Scanned by CamScanner

دیباچہ

rekhta

Scanned by CamScanner

دیباچہ

(۱)

غالب کا دیوان اس قدر مختصر ہے اور ان کے اشعار اس قدر مشہور ہیں کہ ان کا انتخاب بظاہر بالکل غیر ضروری کارروائی ہے۔ لیکن تھوڑا غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ غالب کا انتخاب اہم ادبی ضرورت ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ غالب کا متداول دیوان یقیناً مختصر ہے، لیکن ان کے غیر متداول کلام اور غیر مجموعہ کلام کو بھی حساب میں لے لیا جائے تو اشعار کی تعداد خاصی ہو جاتی ہے۔ کالی داس گپتا رضا کے مرتب کردہ "دیوان غالب کامل" میں تقریباً پانچ ہزار شعر ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تعداد وافر ہے اور اس میں سے انتخاب ممکن بھی ہے اور ضروری بھی۔ دوسری بات یہ کہ غالب کا جو کلام زیادہ تر مشہور ہوا ہے وہ تقریباً ہر زمانے میں سارے کا سارا غزلوں پر یا غزلوں کے متفرق اشعار پر مشتمل رہا ہے۔ گذشتہ ستر اسی برس میں غالب پر ہماری توجہ ان کی غزلوں کے ہی حوالے سے مرکوز رہی ہے۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ کلاس روم کے باہر کم لوگ ایسے ہوں گے جنھوں نے غالب کے قصائد، قطعات اور مثنویات کو اس توجہ سے پڑھا ہو جس توجہ سے ان کی غزلیں پڑھی گئی ہیں۔ لہٰذا غالب کا ایسا انتخاب ضروری ہے جس میں غزل کے ساتھ دیگر اصناف بھی شامل ہوں، تاکہ ان پر بھی مناسب توجہ ہو سکے۔

تیسری بات یہ کہ ہر زمانہ شعرائے سلف کو اپنے طریقے سے پڑھتا ہے۔ ہر زمانے کی ترجیحات مختلف ہوتی ہیں اور ہر زمانہ اپنے ذوق کے مطابق اشعار اور شعرا کی درجہ بندی کرتا ہے۔ بڑے شاعر کے اکثر اشعار پر ہر زمانے میں اتفاق رائے کے باوجود ان اشعار کی معنویت اور مختلف اشعار کے مابین قبولیت اور ترجیح بھی مختلف ہوتی ہے۔ گذشتہ بیس پچیس برس میں جس غالب سے ہم آشنا ہوئے ہیں وہ بڑی حد تک بجنوری اور شیخ اکرام کے غالب سے مختلف ہے لیکن قرائن بتاتے ہیں کہ اب جو غالب ہمارے سامنے آئے گا وہ گذشتہ ربع صدی کے بھی غالب

Scanned by CamScanner

سے تھوڑا بہت مختلف ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب غالب اور دوسرے کلاسیکی شعرا کو اردو کے کلاسیکی معیاروں اور اردو کی کلاسیکی شعریات کی روشنی میں پڑھنے کی کوشش شروع ہو رہی ہے۔ زیرِ نظر انتخاب کو اسی سلسلے کی ایک کڑی کہا جاسکتا ہے۔ اس انتخاب میں آپ کو ایسے اشعار بھی ملیں گے جو نسبتاً کم مقبول یا معروف ہیں۔ ان کی شمولیت کی وجہ صرف یہ نہیں ہے کہ میں ان کو بہت عمدہ سمجھتا ہوں۔ ان کی شمولیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ غزل کے کلاسیکی معیاروں کے بھی اعتبار سے اعلیٰ پائے کے ہیں۔ ممکن ہے اس انتخاب کے ہر پڑھنے والے کو اپنے تمام پسندیدہ اشعار اس میں نظر نہ آئیں، لیکن مجھے امید ہے کہ یہاں ہر ایک کے سارے نہیں تو اکثر پسندیدہ اشعار ضرور موجود ہوں گے۔

اس انتخاب کا بڑا حصہ متداول دیوان کے اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ غالب کے زیادہ تر بہترین اشعار متداول دیوان ہی میں ہیں۔ گیان چند کہتے ہیں کہ شروع کے کلام کا وہ حصہ جسے غالب نے مسترد کر دیا تھا، بڑی حد تک معمولی اور بے لطف ہے۔ کیوں کہ اس میں غیر ضروری پیچیدگی زیادہ ہے، معنی کا لطف کم۔ اس رائے سے پورا اتفاق ممکن نہیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ مسترد کلام کا بڑا حصہ اس قدر ادق، اس کے مضامین اس قدر باریک اور ان مضامین کی بنیاد اتنے دور از کار روابطِ خیال پر ہے کہ اس کو سمجھنے کے لیے کثیر غور و فکر درکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان اشعار میں بظاہر ربط کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ ربط کی اس کمی کو غالب نے "مستیِ تحریر" کا نام دیا ہے ؎

بے کشِ مضموں کو حسنِ ربطِ خط کیا چاہیئے
لغزشِ رفتارِ خامہ مستیِ تحریر ہے

لیکن اس "مستیِ تحریر" کے باعث شعر کا حسن اگر مجروح نہیں تو مخفی ضرور ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے مسترد اشعار میں سے صرف وہ شعر انتخاب میں رکھے ہیں جن کا حسن بالکل ظاہر ہے اور جن کو سمجھنے کے لیے زیادہ تامّل درکار نہیں۔ مسترد اشعار کی پوری نمائندگی نہ ہونے کی حد تک یہ انتخاب نامکمل ضرور ہے، لیکن ہر انتخاب کسی نہ کسی طرح اعتبار سے نامکمل ہوتا ہے۔ میں یہ بہرحال کہہ سکتا ہوں کہ یہ انتخاب نامکمل سہی، لیکن نمائندہ ضرور ہے۔

اشعار کا متن مولانا امتیاز علی عرشی کے مرتب کردہ کلیات (مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند، پہلا ایڈیشن ۱۹۵۸، دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۲) پر مبنی ہے۔ عرشی صاحب نے اپنے نسخے کو چار

حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ پہلا حصہ ان اشعار پر مشتمل تھا جو غالب نے ۱۸۳۳ میں مرتب کردہ دیوان میں شامل نہیں کیے تھے اور جو بعد میں "نسخۂ حمیدیہ والے اشعار" کے نام سے مشہور ہوئے۔ عرشی صاحب نے اس حصے کا نام "گنجینۂ معنی" رکھا تھا۔ دوسرا حصہ "نوائے سروش" کے نام سے اس کلام پر مشتمل تھا جو غالب کا متداول کلام ہے۔ تیسرا حصہ وہ کلام تھا جو کسی دیوان کے متن میں نہیں ملتا لیکن جس کی بازیافت مختلف نسخوں کے حواشی یا اخباروں اور بیاضوں کے ذریعہ ممکن ہوسکی تھی۔ عرشی صاحب نے اس کا نام "یادگار نالہ" رکھا تھا۔ چوتھا حصہ (جو پہلے ایڈیشن ۱۹۵۸ میں نہیں ہے، کیونکہ اس میں وہ کلام ہے جو پہلے ایڈیشن کی اشاعت کے وقت تک دریافت نہیں ہوا تھا) "یادآورد" کے نام سے اس نئے کلام پر مشتمل تھا جو "نسخۂ امروہہ" یا "نسخۂ بھوپال" یا "نسخۂ عرشی زادہ" نامی مخطوطے کے ذریعے دریافت ہوا۔ قاعدے کی رو سے اسے بھی "گنجینۂ معنی" کا حصہ ہونا تھا، لیکن اس کی دریافت اس وقت ہوئی جب نسخۂ عرشی کا دوسرا ایڈیشن پریس جاچکا تھا، لہٰذا اسے الگ حصے کے طور پر اس ایڈیشن میں شامل کیا گیا۔ میں نے اس حصے کو الگ اس لیے رکھا ہے کہ مختلف وجوہ کی بنا پر اس مخطوطے کے بارے میں طرح طرح کے تنازعات پیدا ہوئے اور غالبیات میں اس کا خاص مقام ہے۔ "یادگار نالہ" کے بعض مشمولات کو میں غالب کا کلام نہیں مانتا۔ لہٰذا ان میں سے کوئی شعر شامل انتخاب نہیں کیا ہے۔

میں نے اس انتخاب کے چاروں حصوں کے نام تو عرشی صاحب کے تتبع میں نسخۂ عرشی سے مستعار لیے ہیں لیکن ان کی ترتیب بدل دی ہے۔ میں نے "نوائے سروش" کو پہلے اور "یادگار نالہ" کو آخر میں رکھا ہے۔ بیچ میں "گنجینۂ معنی" اور "یادآورد" ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "نوائے سروش" کا کلام سب سے زیادہ معروف ہے اور "یادگار نالہ" کا زیادہ تر حصہ سب سے کم متداول ہے۔ "گنجینۂ معنی" تو نسخۂ حمیدیہ کے جدید و قدیم ایڈیشنوں کے باعث اور "یادآورد" نسخۂ عرشی زادہ اور نقوش لاہور کی اشاعت خاص (مرتبہ نثار احمد فاروقی) کے باعث بآسانی دستیاب ہیں۔ لیکن "یادگار نالہ" کا بیشتر حصہ صرف "نسخۂ عرشی" ہی میں ملتا ہے۔

"نوائے سروش" میں غزلوں کی ترتیب متداول دیوان کے مطابق ہے (بعض بعض اشعار کی ترتیب میں متداول دیوان کی جگہ نسخۂ عرشی کو اختیار کیا گیا ہے) بقیہ تمام کلام کی ترتیب "نسخۂ عرشی"

Scanned by CamScanner

کے مطابق ہے۔ پچھلے پچاس ساٹھ برسوں میں دیوان غالب کے جو ایڈیشن شائع ہوئے ان میں غزلیات کو مقدم رکھا گیا تھا۔ ان کے بعد قصائد، پھر قطعہ اور رباعی وغیرہ۔ یہ ترتیب غالب کی اپنی ترتیب کے خلاف ہے اور اس زمانے کی وضع کے بھی خلاف ہے۔ لہٰذا میں نے "نسخۂ عرشی" اور غالب کی اصل ترتیب کا لحاظ رکھتے ہوئے ترتیب حسب ذیل رکھی ہے، قطعہ، مثنوی، قصیدہ، غزل، رباعی۔ الفاظ کا املا وہ اختیار کیا ہے جو آج کل رائج ہے۔ "نسخۂ عرشی" اور بہت سے دیگر ایڈیشنوں میں یہ التزام رکھا گیا ہے کہ اگر ہائے ہوز پر ختم ہونے والے لفظ کا قافیہ الف والے لفظ سے کیا گیا ہو تو ہائے ہوز کو الف میں بدل دیتے ہیں۔ مثلاً مندرجۂ ذیل مصرعے میں ع

کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیے

اکثر لوگوں نے "اشارہ" کو "اشارا" لکھا ہے۔ میں نے اس التزام کو غیر منطقی اور غیر ضروری جان کر ترک کر دیا ہے۔ لیکن مندرجۂ ذیل مصرعے میں ع

ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیوں کر ہو

"وہ" بر وزن 'کو' ہے اور تمام لوگوں نے اسے "وو" لکھا ہے جو بہت بدنما اور مصنوعی معلوم ہوتا ہے۔ یہاں میں نے مجبوراً "وو" اختیار کیا ہے تاکہ قاری کو یہ گمان نہ ہو کہ موجودہ زمانے میں بھی "وہ" اور "کو" کا قافیہ کر سکتے ہیں۔

کلام غالب کی تاریخی ترتیب کا کام مولانا عرشی نے انجام دیا تھا۔ اب جناب کالیداس گپتا رضا نے مزید باریکی اور محققانہ ژرف نگاہی سے کام لیتے ہوئے تمام اشعار کا سال تصنیف یا کم سے کم زمانۂ تصنیف متعین کر دیا ہے۔ میں نے جناب رضا سے استفادہ کر کے زیر نظر انتخاب کے ہر اندراج کے نیچے اس کا سال یا زمانۂ تصنیف بھی درج کر دیا ہے۔ اس میں جہاں اور فائدے ہیں، ایک اہم فائدہ یہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ مالک رام صاحب کے اس قول کی مکمل تصدیق ہوتی ہے کہ غالب کے یہاں شروع ہی سے "آسان" اور "مشکل" دونوں طرح کا کلام موجود ہے۔ یہ بات مشہور ہے (اور غلط ہے) کہ غالب نے شروع شروع میں بہت مشکل لکھا، اور بعد میں وہ "طرز میر" کی طرف مائل ہوئے۔ مالک رام نے بہت پہلے کہا تھا کہ غالب کی اکثر غزلیں جنھوں نے غالب کو غالب بنایا، زمانۂ نوجوانی یا جوانی کی ہیں نہ کہ اس زمانے کی

Scanned by CamScanner

جب وہ "مشکل پسندی" ترک کر چکے تھے۔ اس کے باوجود یہ بات مشہور ہے کہ غالب کا اوائلی کلام سارے کا سارا ادق اور بے لطف اور فارسیت (بلکہ فارسی) میں غرق ہے۔ امید ہے کہ اس انتخاب میں مندرج تاریخوں سے اس غلط فہمی کے ازالے میں مدد ملے گی۔

مولانا عرشی نے اس بات کا خاص اہتمام کیا تھا کہ الفاظ پر ضروری اعراب لگائے جائیں اور علامات وقف، خاص کر کاما کا استعمال بکثرت ہو تاکہ اشعار کو صحیح پڑھنے میں آسانی ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اعراب اور اوقاف کے باعث بعض اشعار کو پڑھنا کچھ آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ چیزیں شعر کے معنی کو محدود بھی کر دیتی ہیں۔ اعراب لگانے میں مشکل یہ بھی ہے کہ بہت سے الفاظ پر اصل زبان کی رو سے اعراب کچھ ہوں گے اور استعمال عام کی رو سے اعراب کچھ ہوں گے۔ اگر استعمال عام کی رو سے اعراب قائم کیے جائیں تو غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ مصنف کا یہی عندیہ تھا۔ اگر اصل زبان کی رو سے اعراب رکھے جائیں تو بعض اوقات مضحکہ خیز صورت پیدا ہو جائے۔ پرانے زمانے میں نہ اعراب کا اہتمام تھا اور نہ اوقاف کا۔ میں نے بھی ان سے مکمل احتراز کیا ہے تاکہ قاری کے ذہن میں کسی خاص قرأت کے خلاف یا موافق کوئی تعصب نہ پیدا ہو اور اسے اس بات کا پورا احساس ہو کہ کسی شعر کو پڑھنے کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں۔ (اس سلسلے میں بہت سی مثالیں میں نے "تفہیم غالب" اور "شعر شور انگیز" میں درج کی ہیں۔ یہاں تفصیل کو غیر ضروری جان کر ترک کرتا ہوں۔)

تمام بڑے شعرا کی طرح غالب میں بھی یہ صفت ہے کہ ان کا کلام چاہے جتنی بار پڑھا جائے اس کی تازگی برقرار رہتی ہے اور ہر مطالعے میں بعض ایسے شعر سامنے آتے ہیں جو لہجے یا معنی کے اعتبار سے بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں اور تعجب ہوتا ہے کہ اب تک یہ آنکھوں سے اوجھل کس طرح رہے تھے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑے شاعر کے کلام میں فن کی باریکیاں اور چالاکیاں اور معنی کی تہیں اس قدر ہوتی ہیں کہ بسا اوقات ان شعروں میں بھی نئے پہلو نظر آجاتے ہیں جنھیں ہم بار بار پڑھ چکے ہوتے ہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی پڑھنے والے پر کبھی کوئی نکتہ اچانک روشن ہوتا ہے جب کہ دوسرا پڑھنے والا اس نکتے کو پہلے ہی دیکھ چکا ہوتا ہے۔ اس طرح ہر پڑھنے والے کے لیے ہر بار تازگی کا سامان مہیا رہتا ہے۔ غالب کے یہاں ایک اور خصوصیت بھی ہے جو عام طور پر ہمارے شعرا کے یہاں نہیں ملتی۔ اس خصوصیت کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ وہ بعض اوقات سرسری سی بات کہہ دیتے ہیں، اور پڑھنے یا سننے والا اس

Scanned by CamScanner

شعر پر سے یوں ہی گذر جاتا ہے۔ لیکن غور و فکر کے بعد (اور کبھی کبھی اچانک) انکشاف ہوتا ہے کہ بات سرسری نہیں بلکہ تہ دار ہے۔ لہٰذا یہ امکان ہمیشہ رہتا ہے کہ جس شعر کو ہم غیر اہم سمجھ رہے ہیں وہ دراصل اہم ہو۔ مثلاً ایک بہت مشہور اور بظاہر سادہ شعر ہے ؎

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

یہاں بظاہر کوئی نکتہ نہیں۔ لیکن اچانک منکشف ہوتا ہے کہ دوسرے مصرعے کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اب ہنسی کسی بات پر نہیں آتی، بلکہ بے بات کی بات پر ہنسی آتی ہے۔ اب یہ شعر یاس و افسردگی کی جگہ جنون اور ذہنی اختلال کے مضمون پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ غالب کی اس خصوصیت کے باعث ان کا انتخاب بنانا بہت مشکل ہے، کیوں کہ عجب نہیں کہ جس شعر کو ہم نظر انداز کر گئے ہوں، اس میں بھی کوئی نکتہ ہو۔

(۲)

غالب ہمارے سب سے بڑے شاعر ہیں کہ نہیں؟ اس سوال پر بحث ہو سکتی ہے اکثر لوگ اس سوال کا جواب "ہاں" میں دیں گے۔ لیکن یہ بات بالکل طے ہے کہ غالب ہمارے آخری بڑے کلاسیکی شاعر اور پہلے بڑے جدید شاعر ہیں۔ وہ اگرچہ اس صدی کے شروع ہونے سے بہت پہلے مر گئے لیکن ان کا کلام اس صدی کا استعارہ اور ان کے بیان کردہ مسائل اس صدی کے مسائل کا جوہر ہیں۔ لہٰذا غالب کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے بھی ہو سکتا ہے کہ کلاسیکی شعرا میں غالب کا کیا مقام ہے، اور اس نقطۂ نظر سے بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کون سے خواص اور صفات ہیں جن کی بنا پر غالب ہمارے عہد کے سب سے مقبول اردو شاعر ہیں؟ میں فی الحال اس دوسرے ہی سوال کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں۔

یہ بات تو سامنے کی ہے کہ شاعری کے اعتبار سے ہماری صدی استعارے اور ابہام کی صدی ہے، اور غالب کی شاعری کے نمایاں ترین اوصاف اس میں استعارے کی وسعت اور رنگا رنگی اور ابہام کی پیدا کردہ کثیر المعنویت ہیں۔ لیکن بات یہاں ختم نہیں ہوتی، بلکہ شروع ہوتی ہے۔ کیوں کہ اصل سوال یہ ہے کہ غالب نے استعارے کو کس طرح برتا؟ کیا استعارے سے غالب نے انکشاف کا کام لیا، یا اس کے ذریعہ عام، معمولی حقائق میں بھی اسرار کی کارفرمائی ثابت کی؟

کیا استعارے کو ادراک و انکشاف حقیقت کا ذریعہ کہہ سکتے ہیں ؟ یہ بحث مغربی شعریات میں فلسفے سے اٹھی، خاص کر جب ہیوم نے اس بات سے انکار کیا کہ استعارے کے ذریعہ علم حاصل ہوسکتا ہے۔ اسی زمانے میں اسپنوزا نے انجیل کی تعبیر و شرح کے مسائل سے بحث کرتے ہوئے یہ سوال اٹھایا کہ انجیل کے بیانات کو استعارے کی سطح پر قبول کیا جائے یا لغوی سطح پر؟ یہ سوال اس لیے اہم تھا کہ دونوں طرح کی کارگذاریوں میں انجیل کے احکام واقوال کی عملی معنویت اور ان کا مبنی برحقیقت ہونا معرض خطر میں پڑسکتا تھا۔ اسپنوزا نے بالآخر یہ فیصلہ کیا کہ ہمیں انجیل کے الفاظ کو لغوی حیثیت میں قبول کرنا چاہیے اور اس بات سے بحث نہ کرنا چاہیے کہ ان کو سچ بھی ثابت کرسکتے ہیں کہ نہیں۔

عرب شعریات میں استعارہ وسیلۂ علم کے طور پر نہیں۔ بلکہ توسیع معنی کے وسیلے کی حیثیت سے برتا گیا ہے۔ یعنی عرب شعریات (اور بڑی حد تک تمام کلاسیکی مشرقی شعریات) میں استعارے کا اصول یہ نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ کوئی بات ثابت یا منکشف کی جاتی ہے۔ بلکہ یہاں استعارہ اس لیے اہم ہے کہ اس کے ذریعہ بعض اوقات وہ معنی بھی وجود میں آتے ہیں جو کلام (Discourse) سے منطقی تعلق نہیں رکھتے، بلکہ اشاریاتی تعلق رکھتے ہیں۔ امام عبدالقاہر جرجانی نے دو طرح کے استعاروں میں فرق کیا ہے۔ ایک تو وہ جن کی بنیاد حسیاتی ہوتی ہے۔ جرجانی کا قول ہے کہ ایسے استعاروں کے معنی متعین ہوسکتے ہیں۔ دوسری طرح کے استعارے وہ ہیں جن کی بنیاد عقلی ہوتی ہے۔ جرجانی کا کہنا ہے کہ ایسے استعاروں کے معنی لامحدود ہوتے ہیں۔

غالب نے اپنی تحریروں میں جرجانی کا حوالہ کہیں نہیں دیا ہے اور نہ کہیں استعارے سے بحث کی ہے۔ لیکن چونکہ ان کا شعری ذوق مشرقی شعریات اور خاص کر سبک ہندی کی شعریات کا ساختہ پرداختہ تھا، اس لیے ان کے یہاں جرجانی کے بیان کردہ دوسری قسم کے استعارے کی کارفرمائی بیش از بیش نظر آتی ہے۔ غالب کے یہاں ان استعاروں کا عمل انکشاف کا نہیں، بلکہ سوالیہ نشان کا ہے۔ یعنی غالب کے استعارے ہمیں کائنات اور وجود کے بارے میں استفہام و استفسار پر مائل کرتے ہیں۔ بیسویں صدی کا مزاج چونکہ استفہام اور تجسس سے عبارت ہے اس لیے غالب کا کلام (جیسا کہ میں نے اوپر کہا) بیسویں صدی کا ہی استعارہ بن گیا ہے۔

Scanned by CamScanner

غالب کے بارے میں یہ بات بار بار کہی گئی ہے کہ وہ ایسے دور میں پلے بڑھے جو ہندوستانی سیاست اور سماج میں زوال اور انتشار کا دور تھا۔ یہ بات صرف جزوی طور پر سچ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زوال اور انتشار تو غالب کی پیدائش سے بھی پہلے شروع ہو چکا تھا۔ سیاسی اعتبار سے زوال کا دور اٹھارویں صدی کے وسط سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ غالب کے دور اور اس سے ماقبل زمانے میں اصل فرق یہ ہے کہ غالب کے زمانے میں ہندوستانی تہذیبی اقدار کی بھی قوت اور سچائی مشکوک نظر آنے لگی تھی۔ وہ اقدار جو غالب سے نصف صدی پہلے پامال ہونا شروع ہو گئی تھیں، اب ان کے بارے میں یہ شک پیدا ہو چلا تھا کہ ان اقدار میں یہ قوت ہے بھی کہ نہیں کہ وہ انسان کو کائنات میں قائم رہنے اور کائنات کے موجودات و امکانات کی وجہ بیان کرنے کی سعی میں مدد ہو سکیں۔ غیر ملک، غیر زبان، غیر تہذیب، یہ چیزیں میر کے زمانے میں اہمیت نہ رکھتی تھیں۔ اس زمانے میں لوگوں کو پھر بھی یہ یقین تھا کہ وجود کے بارے میں جن نظریات اور تصورات کے وہ حامل ہیں، وہ صحیح اور کافی ہیں۔ غالب کے زمانے میں اس یقین پر کاری ضرب پڑی اور زندگی کے ہر شعبے، حتّٰی کہ تہذیبی اقدار میں بھی مغربی اثرات کی برپا کردہ تبدیلیاں نظر آنے لگیں۔ اس تبدیل حال کا سب سے بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ غالب جیسے ذہنوں کو، جو پرانی تہذیب کے پاسدار تھے، لیکن جنھیں بدلتی ہوئی دنیا کا احساس بھی تھا، وجود کی سطح پر یہ خوف اور شک پیدا ہوا کہ اشیا اور حقائق کیا واقعی ویسے ہی ہیں جیسے کہ ان کے بزرگوں کے World View میں تھے، یا اشیا اور حقائق کچھ اور ہیں؟ یا اگر وہ کچھ اور نہیں بھی ہیں تو کیا ان کو دیکھنے کے طریقے کچھ اور بھی ہیں۔ اور یہ طریقے ان طریقوں سے مختلف ہیں جو انھوں نے اپنی تہذیب، اپنی تاریخ، اور اپنے تہذیبی شعور سے حاصل کیے تھے؟

اشیا دراصل ویسی نہیں ہیں جیسی وہ نظر آتی ہیں، یہ صوفیوں اور فلسفیوں کا عام مقولہ ہے۔ اس مقولے تک پہنچنے کے لیے غالب اور ان کے معاصروں کو مغربی تہذیب یا مغربی علم کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن صوفی اور فلسفی کا یہ کہنا کہ عالم "ہرچند کہیں کہ ہے نہیں ہے" اور معنی رکھتا تھا اور مغربی تہذیب کی روشنی میں یہ معلوم کرنا اور معنی رکھتا تھا کہ "ہرچند کہیں کہ ہے نہیں ہے" کے وہ معنی نہیں ہیں جو مشرقی صوفیوں اور فلسفیوں نے بیان کیے تھے۔ اس حوصلہ شکن دریافت نے ہند اسلامی تہذیب میں ایک بحران پیدا کر دیا۔ غالب اسی تہذیبی بحران کے شاعر ہیں۔

Scanned by CamScanner

اور یہ بحران اب بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اس لیے غالب ہمیں آج بھی ہمارے معاصر نظر آتے ہیں۔ غالب کے اہم معاصرین، ذوق، مومن، میر انیس یا پھر درجۂ دوم کے اہم شعرا، مثلاً اصغر علی خاں نسیم وغیرہ سب اس بحران سے بے خبر تھے جو ہماری تہذیب میں انگریزوں کے اثر سے رونما ہو رہا تھا اور بڑی حد تک رونما ہو بھی چکا تھا۔ غالب کی بڑائی کا راز بنیادی طور پر اس بات میں ہے کہ انھوں نے اس بحران کو نہ صرف محسوس کیا، بلکہ اسے شعر بنا کر پیش بھی کیا۔

اس بحران کو محسوس کرنے اور شعر بنا کر پیش کرنے سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ غالب نے زمانۂ نوجوانی ہی میں "داغ فراقِ صحبت شب کی جلی ہوئی" جیسے شعر کہہ لیے تھے۔ اس بحران کو محسوس کرنے اور اسے شعر میں منتقل کرنے سے میری مراد یہ ہے کہ غالب نے اس بات کو اپنے کلام کا بنیادی استعارہ بنایا کہ اشیا جیسی نظر آتی ہیں وہ ان کی اصل صورت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غالب نے استفہامیہ کا استعمال تمام اردو شعرا سے زیادہ کیا ہے حتیٰ کہ میر سے بھی زیادہ۔ یعنی اشعار کے تناسب کے اعتبار سے غالب کے یہاں استفہامیہ اشعار کا تناسب میر سے زیادہ ہے۔ جس شخص نے اپنے دیوان کا آغاز ہی استفہام سے کیا ہو اور اس استفہام کے ذریعہ نظام کائنات پر نکتہ چیں انداز میں نظر ڈالی ہو اس کے استفہامی مزاج کے بارے میں زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ؎

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

اس کے مقابلے میں میر کو دیکھیے۔ کیوں کہ میر خود بہت بڑے استفہامی ہیں ؎

کوئی ہو محرم شوخی ترا تو میں پوچھوں
کہ بزم عیش جہاں کیا سمجھ کے برہم کی

جیسا کہ میں نے کہا، میر خود بہت بڑے استفہامی ہیں۔ لیکن ان کا استفہام (مندرجہ بالا شعر میں) دو مضمرات کا حامل ہے۔ اوّل تو یہ کہ کوئی نہ کوئی ہستی یا شخص ایسا ہے جو ذات باری تعالیٰ کی "شوخی" کا "محرم" ہو۔ دوسری بات اس استفہام میں یہ مضمر ہے کہ باری تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں، اس لیے اگر اس نے بزم عیش جہاں برہم کی بھی ہے تو اس کا راز اس کو ضرور معلوم ہوگا جو ذاتِ باری کا محرم ہے۔ غالب کے شعر میں دونوں ہی مضمرات کا پتہ نہیں۔ صرف مطلق استفہام ہے کہ وہ کون ہے جس کی شوخی تحریر نے نقش کو کاغذی پیرہن

Scanned by CamScanner

پہنادیا۔ (کاغذی پیرہن پہننا : فریادی ہونا۔) اس پر طرّہ یہ کہ نقش وجود میں آتا ہی تب ہے جب وہ کاغذی پیرہن پہنے۔ لہٰذا وجود خود مساوی ہے فریاد کے۔ تو یہ کس کی شوخی ہے جس نے وجود = فریاد کی تکوین کی؟

میں نے اوپر کہا ہے کہ غالب تہذیبی بحران کے پیدا کردہ اس احساس کے شاعر ہیں کہ اشیا ویسی نہیں ہیں جیسی نظر آتی ہیں، حقائق وہ نہیں ہیں جو ہمیں سکھائے گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غالب کے یہاں رفتار = جمود، وجود = عدم، عقل = وحشت، غیب = ظہور، نظارہ = نابینائی جیسے مضمون عام ہیں۔ لیکن اس سے بھی آگے بڑھ کر غالب نے اس ذہنی جغرافیے کو بھی بدل دیا اور اس داخلی سرزمین کی آب و ہوا بھی بدل دی جن سے غزل کی شاعری عبارت ہے۔ یہاں بھی میر سے تقابل خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ میر کے یہاں داخلی جغرافیہ اور تہذیبی آب و ہوا کے بدلنے یا اس میں تبدیلی ممکن ہونے کا ذکر نہیں۔ میر کی دنیا خود مکتفی ہے، اس میں انسان زبون و خوار بھی ہے اور منصور و مظفر بھی۔ لیکن اس میں کوئی تغیر نہ تھا۔ عشق کے جنگل کی دہشت ناکی ایسی تھی کہ وہاں شیروں کو بھی قشعریرہ ہو اور جہاں خود خضر کو جان کا خطرہ ہو ؎

کیا کم ہے ہولناکی صحرائے عاشقی کی
شیروں کو اس جگہ پر ہوتا ہے قشعریرہ
ملا جو عشق کے جنگل میں خضر میں نے کہا
کہ خوفِ شیر ہے مخدوم یاں کدھر آیا (میر)

لیکن غالب کے یہاں جغرافیہ بدلا ہوا ہے۔ غالب کے صحرا میں خضر کا گذر ہی نہیں۔ اس صحرا کے دیوانے سرحد تماشا سے بہت دور ہیں اور خود خضر کو ان سے ملنے کا اشتیاق ہے ؎

سیر آں سوئے تماشا ہے طلب گاروں کا
خضر مشتاق ہے اس دشت کے آواروں کا

یہ اور بات ہے کہ فنی اعتبار سے میر کے دونوں شعر غالب کے شعر سے بہتر ہیں۔ لیکن یہاں جو چیز لائق توجہ ہے وہ میر اور غالب کا فنی تقابل نہیں بلکہ وہ ذہنی آب و ہوا اور داخلی جغرافیہ ہیں جن سے میر اور غالب کے اشعار عبارت ہیں ؎

اسد ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سر و پا ہیں
کہ ہے سر پنجۂ مژگانِ آہو پشت خار اپنا

Scanned by CamScanner

یہاں جنوں جولانی اور بے سروپائی مساوی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ وہ دشت جس میں کوئی بے سروپا شخص جنوں جولاں ہو، اس دشت سے مختلف ہوگا جس میں خوف شیر ہو۔ کیوں کہ اس دشت کے ہونے کی دلیل ہی اس کا نہ ہونا ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں ہے ؎

ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے
میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

یعنی رفتار جتنی تیز ہوگی، بیاباں اتنی ہی تیزی سے دور ہوتا جائے گا۔ لہٰذا رفتار برابر ہے جمود کے، اور بیاباں کا وجود اس کے عدم ہی میں مضمر ہے۔

مروج مفروضات اور مقرر اقدار کو پلٹنے، یا ان کا عکس بیان کرنے کا رجحان ہماری کلاسیکی شاعری کا رجحان نہیں۔ میری مراد یہ ہے کہ وہاں یہ بات بھی مروج مفروضات میں داخل ہے کہ غزل کا مرکزی کردار، یعنی عاشق، رسوم شکن اور مقبول اقدار کو مسترد کرنے والا شخص ہوتا ہے۔ اس کے مقابل ناصح، رقیب، ہم نشیں، زاہد، شیخ وغیرہ ہیں جو مروج اقدار و رسوم کے حامی، اور ان کو قائم کرنے والوں کے معاون ہیں۔ یعنی کلاسیکی غزل کی شعریات میں مرکزی کردار شروع ہی سے اور اپنی اصل ہی کے اعتبار سے Subversive صفات کا حامل ہوتا ہے۔ آج کل کے وہ مغربی نقاد جو خود کو Cultural Materialist یا New Historicist کہتے ہیں ان کے لیے کلاسیکی غزل کی دنیا بے حد دلچسپ — اور حیران کن ثابت ہوگی۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ادب اگرچہ ہر زمانے میں حاکم طبقے کے اقدار کو قائم کرنے کے لیے وجود میں آتا ہے، لیکن ذی ہوش ادیب ان اقدار کو مستحکم کرنے کی ظاہری کوشش کے درپردہ ان اقدار کو Subvert کرنے یا معرض سوال میں لانے کا کام کرتا ہے۔ نئے تاریخیت پرستوں سے بہت پہلے میخائل باختن Bakhtin نے یہ نظریہ Carnivalisation کے نام سے پیش کیا تھا۔ ہمارے یہاں یہ عالم ہے کہ غزل کی دنیا کا مرکزی کردار خود ہی اوّل درجے کا Subversive ہوتا ہے۔ غالب کی انفرادیت اس بات میں ہے کہ وہ Subversion کو بھی Subvert کرنے پر تیار رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ مروج اقدار سے نامطمئن تھے اور انھیں شک کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اقدار کا یہ Subversion کے نزدیک اس کایا پلٹ کا استعارہ تھا جو ہماری تہذیب اور ہمارے تہذیبی شعور میں رونما ہو رہی تھی۔ چنانچہ جہاں میر یہ کہتے ہیں ؎

Scanned by CamScanner

ہاتھ دامن میں ترے مارتے جھنجھلا کے نہ ہم
اپنے جامے میں اگر آج گریباں ہوتا

وہاں غالب کہتے ہیں ؎

عجز و نیاز سے تو نہ آیا وہ راہ پر
دامن کو اس کے آج حریفانہ کھینچیے

میر کے متکلم کا گریبان چاک ہو چکا ہے۔ اس لیے وہ معشوق کے دامن کو اپنا ہدف بناتا ہے۔ اس میں چالاکی ہے، لیکن عاشق اور معشوق دونوں کی جگہ متعین ہے، جب کہ غالب نے دونوں کی جگہ کو Subvert کر دیا ہے۔ اسی طرح غالب یہ کہہ سکتے ہیں کہ معشوق بھی شوخ اور بے باک ہو اور عاشق بھی شوخ و بے باک ہو ؎

ہے وصل ہجر عالم تمکین و ضبط میں
معشوق شوخ و عاشق دیوانہ چاہیے
اس لب سے مل ہی جائے گا بوسہ کبھی تو ہاں
شوق فضول و جرأتِ رندانہ چاہیے

اس کے بجائے کہ عاشق اپنی رسوائی کے سامان کرنے میں خود طاق ہو، غالب اس کے مقام کو منہدم کر کے معشوق کو یہ کام سونپنا چاہتے ہیں ؎

اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی
یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے

اسی طرح، نہ صرف یہ کہ معشوق کا حسن محض مصنوعی ہے ؎

پوچھ مت رسوائی انداز استغنائے حسن
دست مرہون حنا رخسار رہن غازہ تھا

بلکہ معشوق کی وفا بھی محض اتفاق پر مبنی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ رونے دھونے سے خدا یا معشوق مہربان ہو جائے ؎

وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم
اثر فریاد دل ہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

مروج اقدار کو منہدم کرنے یا معرض سوال میں لانے کے رجحان کی بنا پر غالب کے کلام

Scanned by CamScanner

میں ایک طرح کی شوخی ، ایک طرح کی Irreverence اور تھوڑی سی کلبیت ہے جو بیسویں صدی کے ذہن کو برانگیختہ کرتی ہے ، کیوں کہ اسے اس میں خود اپنی کش مکش ، اپنے شکوک اور اپنے dilemmas کا عکس نظر آتا ہے ۔ میں چند اشعار مزید نقل کرتا ہوں ۔ ان میں سے ہر ایک شعر کسی نہ کسی مروج یا مقبول مضمون کے برعکس مضمون پر مبنی ہے ؎

فکر سخن یک انشا زندانی خموشی
دود چراغ گویا زنجیر بے صدا ہے

سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

کوئی آگاہ نہیں باطن ہم دیگر سے
ہے ہر اک فرد جہاں میں ورق ناخواندہ

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بے کسی کی شرم

کیا ہے ترک دنیا کاہلی سے
ہمیں حاصل نہیں بے حاصلی سے
خدا یعنی پدر سے مہرباں تر
پھرے ہم در بدر ناقابلی سے

کچھ نہ کی اپنے جنوں نارسا نے ورنہ یاں
ذرہ ذرہ روکش خورشید عالمتاب تھا

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

Scanned by CamScanner

وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد
جنونِ ساختہ و فصلِ گل قیامت ہے

جی ہی میں کچھ نہیں ہے ہمارے وگرنہ ہم
سر جائے یا رہے نہ رہیں پر کہے بغیر

اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
اس در پہ نہیں بار تو کعبے ہی کو ہو آئے

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں
تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیِ فرشتہ ہماری جناب میں

پوچھا تھا گرچہ یار نے احوالِ دل مگر
کس کو دماغِ منتِ گفت و شنود تھا

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

مٹتا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی
عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو

Scanned by CamScanner

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یاں
طاقت بقدرِ لذتِ آزار بھی نہیں

یہ اشعار میں نے بے تکلف حافظے سے نقل کیے ہیں ، ورنہ اس طرح کے شعر دیوان کے ہر صفحے پر مل جائیں گے ۔ ان اشعار میں فنی خوبیاں اور معنی کی گہرائیاں بھی ہیں ۔ لیکن فی الحال یہ اس لیے توجہ طلب ہیں کہ ان میں جو نظریۂ کائنات نظر آتا ہے وہ ہند اسلامی تہذیب کے نظریۂ کائنات کی مکمل توثیق نہیں کرتا ، بلکہ اس سے ایک حد تک منحرف ہے ۔ حالی نے اس بات کو یوں کہا تھا کہ غالب ہر چیز میں اپنی روش الگ رکھنا پسند کرتے تھے ۔ بات بڑی حد تک صحیح ہے ۔ لیکن جو سوال غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ اپنی روش الگ رکھنے کا یہ ہی طریقہ کیوں ؟ مومن بھی بہت بڑے انفرادیت پرست تھے ، اور ان کے کلام کی روش بھی اوروں سے بہت مختلف ہے ۔ لیکن مومن کی دنیا سراسر وہ دنیا ہے جو رسمی طور پر انھوں نے ورثے میں پائی تھی ۔ مومن اس دنیا کو کسی شک یا خوف کی نگاہ سے نہیں دیکھتے ۔ اس کے برخلاف غالب کا یہ عالم ہے کہ زمانۂ نوجوانی ہی میں وہ خدا کو باپ سے مہربان تر بتاتے ہوئے اپنی آوارہ گردی کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ ناقابلی تھی ۔ یعنی وہ خود ناقابل (نالائق) تھے یا پھر خدا نے ان کو قبول نہ کیا ، اگرچہ وہ پدر سے مہربان تر تھا ۔

غالب کے بارے میں اکثر کہا گیا ہے کہ وہ شروع میں بیدل سے متاثر تھے ۔ خود غالب نے اپنے ابتدائی کلام میں بیدل کو اتنی بار خراج عقیدت پیش کیا ہے کہ بیدل کو ان کا معنوی استاد کہا جاسکتا ہے ۔ لیکن شروع کے غالب پر ناسخ کا بھی اثر بہت تھا ۔ ناسخ کی شہرت کا ستارہ ان دنوں گردش میں ہے اس لیے ہم لوگ غالب پر ناسخ کے اثر کو نظر انداز کر دیتے ہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ دونوں کی شاعری کا بڑا حصہ (اور غالب کا تقریباً سارا غیر متداول کلام) خیال بندی پر مبنی ہے ۔ اعظم الدولہ سرور نے " عمدۂ منتخبہ " میں غالب کا ذکر اس زمانے میں لکھا تھا جب غالب بہت نوعمر تھے ۔ سرور نے غالب کو خیال بندی کا شائق بیان کیا ہے ۔ خیال بندی کی بنیادی صفت یہ ہے کہ مضمون کی ندرت اول ہے ، چاہے مضمون خود بہت خوب صورت یا مروج معیار کا پابند نہ ہو ۔ غالب نے خیال بندی والے مضامین میں عقلی استعارے بہت برتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام ناسخ سے بہت زیادہ رنگا رنگ معلوم ہوتا ہے ۔ عقلی استعارے اور نشانیات کے تعلق پر مختصر بحث کر کے میں گفتگو ختم کرتا ہوں ۔

Scanned by CamScanner

نشانیات کا بنیادی اصول ہے کہ کسی شے کو کسی شے کا نمائندہ نہیں، بلکہ کسی شے کے برابر ٹھہرایا جائے۔ استعارہ اپنی اصل شکل میں اس شے کا نمائندہ ہوتا ہے جس کو اس کا مستعار منہ' کہتے ہیں۔ مثلاً یہ استعارہ ہے: "زید شیر ہے" لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ "شیر زید ہے" یعنی جہاں جہاں "شیر" درج یا مرقوم ہو، ہم وہاں زید فرض کریں تو یہ نشانیاتی عمل ہے۔ عقلی استعارے میں نشانیات کا اصول اکثر کارفرما رہتا ہے۔ غالب نے اس کے ذریعہ پھر وہی کام لیا ہے کہ مروج مفروضات کو پلٹنے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر میر؎

صبح چمن میں اس کو کہیں تکلیف ہوا لے آئی تھی
رخ سے گل کو مول لیا قامت سے سرو غلام کیا

یہاں معشوق کا باغ میں جانا روزمرہ کی دنیا کا عمل ہے۔ باغ میں اس کا گلاب کے پھول اور سرو کو غلام بنالینا استعاراتی عمل ہے (یعنی گلاب کا پھول اس کے چہرے کا غلام ہے اور سرو کا پیڑ اس کی قامت کا غلام ہے۔ یعنی معشوق کے چہرے اور گلاب کے پھول، اس کی قامت اور سرو کے درخت' میں وہی رشتہ ہے جو مالک اور غلام میں ہوتا ہے۔ مالک = اعلیٰ، غلام = ادنیٰ) لہذا میر کے بظاہر سادہ سے مصرعے میں کئی استعارے ہیں لیکن ان کی بنیاد حسیاتی ہے۔ لہٰذا ان کا تجزیہ ہوسکتا ہے۔ اب غالب کے شعر دیکھیے؎

(۱) ہوائے سیر گل آئینۂ بے مہری قاتل
کہ انداز بخوں غلطیدن بسمل پسند آیا

(۲) انھیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا
اٹھے تھے سیر گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی

سطحی طور پر ان دونوں شعروں میں صورتِ حال وہی ہے جو میر کے یہاں ہے۔ یعنی معشوق کا باغ کی سیر کو جانا۔ لیکن داخلی طور پر ان میں بنیادی اختلافات ہیں تصورِ کائنات کی سطح پر فرق یہ ہے کہ میر کے یہاں ہر چیز کا مرتبہ اور مقام متعین ہے۔ (۱) معشوق کو ہوا نے تکلیف (= ترغیب) دی۔ یہ بات پہلے سے طے ہے کہ غیر لوگ (مثلاً رقیب، یا وہ جو عاشق کے The Other ہیں) معشوق کو ترغیب دیتے ہیں۔ (۲) معشوق کا حسن و قامت گل و سرو کے قامت سے کہیں بہتر ہے۔ (۳) مظاہر قدرت بھی معشوق پر عاشق ہوتے ہیں۔ غالب کے یہاں تصورِ کائنات مختلف ہے۔ کیوں کہ دونوں شعروں میں معشوق بالارادہ سیر باغ کو نکلا ہے

Scanned by CamScanner

یعنی وہ کسی غیر کی ترغیب کا محتاج نہیں ہے۔

استعاراتی طور پر غالب کے شعروں میں بنیادی بات یہ ہے کہ ان کے استعارے Semiotics کے عالم سے ہیں۔ یعنی یہاں بعض چیزیں بعض اور چیزوں کے برابر ہیں، ان ان کی نمائندہ نہیں ہیں۔ حسب ذیل نقشوں پر غور کیجئے :۔

پہلا شعر :۔ معشوق کی بے مہری اور سنگ دلی

معشوق ← ہوائے سیر گل ↔ بے مہری قاتل

انداز بخوں غلطیدن بسمل

یعنی معشوق کا فعل = ہوائے سیر گل

ہوائے سیر گل ↔ بے مہری قاتل

بے مہری قاتل ↔ پسندیدگی انداز بخوں غلطیدن بسمل

بسمل ↔ گل

(اس نشان (←) سے عمل مراد ہے اور اس نشان (↔) سے باہم دگر برابری مراد ہے)

دوسرا شعر :۔ معشوق کی شوخی اور سنگ دلی

معشوق ← اٹھے تھے سیر گل کو ↔ شوخی بہانے کی

زخمیوں کا دیکھ آنا

گل

یعنی = معشوق کا فعل = شوخی اور سنگ دلی

شوخی ↔ زخمیوں کا دیکھ آنا ↔ سیر گل

گل ↔ زخمی

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ غالب کے دونوں اشعار میں نشانیات کا نظام Semiotic System کارفرما ہے۔ استعارہ اپنی جگہ پر موجود ہے (اور اس سے ہم معنی بھی مستخرج کر سکتے ہیں)، لیکن نشانیات کا نظام استعارے کا پہلو بہ پہلو اور مساوی سطح پر قائم ہو جاتا ہے۔ اس نظام میں (یعنی ان دو شعروں کے نشانیاتی نظام ہیں) جو وضعیں Structures

ہیں وہ سب ایک دوسرے کے برابر ہیں اور ایک دوسرے کی جگہ لے سکتے ہیں۔ مستعار لہٗ اور مستعار منہٗ میں برابری کا رشتہ نہیں ہوتا۔ یعنی جس چیز سے استعارہ کرتے ہیں وہ اس شے سے بڑی ہوتی ہے جس کے لیے استعارہ کیا جاتا ہے۔ یعنی "زید شیر ہے" میں زید کی قوت بہرحال شیر سے کم ہوگی۔ مثلاً اگر بہادری کے لیے استعارہ لانا ہو تو ہم ہرگز نہ کہیں گے کہ "زید پہاڑی بکرا ہے"[1]۔ اس اصول کی روشنی میں یہ شعر ملاحظہ ہو ؎

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
مہرِ گردوں ہے چراغِ رہگذارِ باد یاں

اس شعر میں مہرِ گردوں = چراغِ رہگذارِ باد اور چراغِ رہگذارِ باد = مہرِ گردوں قرار دیا ہے۔ ان کا استعاراتی تعلق اتنا اہم نہیں ہے جتنا اہم ان کا نشانیاتی ربط ہے یعنی جہاں جہاں چراغِ رہگذارِ باد دیکھو اسے مہرِ گردوں (کی طرح زوال آمادہ) سمجھو۔ چراغِ رہگذارِ باد گویا sign ہے اور مہرِ گردوں اس کا Signant۔ دوسری طرف، جہاں جہاں اور جب مہرِ گردوں کو دیکھو یا اس کا تصور کرو، اس کو چراغِ رہگذارِ باد (کی طرح زوال آمادہ) سمجھو۔ اس شعر کی قوت Sign اور Signant کی نشانیاتی مساوات میں ہے، جب کہ استعارہ اپنے مستعار لہٗ کا Signifier (مدلول) نہیں ہوتا۔ مستعار منہٗ ہمیشہ مستعار لہٗ سے افضل اور قوی تر ہوتا ہے۔ نشانیاتی نظام میں Sign اور Signant ایک وحدت قائم کرتے ہیں۔ لہٰذا جب استعارہ اور نشانیاتی نظام ایک ہو جائیں، جیسا کہ اس شعر میں ہے، تو معنی کی توسیع ہی نہیں، بلکہ معنی کا اسرار پیدا ہوتا ہے۔

غالب ہمارے کلاسیکی شاعروں میں واحد شاعر ہیں جن کا مطالعہ اگر خالص مغربی شعریات کی روشنی میں کیا جائے تو بھی وہ بڑی حد تک کامیاب ہوگا۔ کیوں کہ ان کا ذہن جدید ذہن کے رجحانات کو بار بار Anticipate کرتا ہے اور اگرچہ وہ کائنات کو مشرقی کلاسیکی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن جگہ جگہ اس کے بارے میں استفہام بھی کرتے ہیں اور مروج اقدار کو الٹ پلٹ کر دیکھنے کی بھی سعی کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ مشرقی شعریات، مشرقی تہذیب اور مشرقی نظریۂ کائنات World View سے

---

[1] یعنی اگرچہ پہاڑی بکرا بھی بہادر ہوتا ہے، لیکن وہ انسان سے قوی تر نہیں۔

پوری ہمدردی اور واقفیت کے بغیر غالب کا مطالعہ مکمل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ غالب ہمارے پہلے بڑے جدید شاعر ہیں اور آخری بڑے کلاسیکی شاعر ہیں۔ غالب کے بارے میں بہت لکھا گیا ہے، لیکن ان کا حق ادا ہونا اسی وقت شروع ہوگا جب انھیں کلاسیکی اور جدید دونوں تصورات کی روشنی میں بہ یک وقت پڑھا جائے۔

شمس الرحمٰن فاروقی

الٰہ آباد
۱۸ اپریل ۱۹۹۱

Scanned by CamScanner

حصۂ اوّل

نوائے سروش

متداول کلام

rekhta

Scanned by CamScanner

قطعات

(۱)

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیئے
خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیئے
ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیئے
مہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھیئے
حرزِ بازوے شگرفانِ خود آرا کہیئے
مسی آلودہ سرِ انگشتِ حسیناں لکھیئے
داغِ طرفِ جگرِ عاشقِ شیدا کہیئے
خاتمِ دستِ سلیماں کے مشابہ لکھیئے
سرِ پستانِ پری زاد سے مانا کہیئے
اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجے
خالِ مشکینِ رخِ دلکشِ لیلیٰ کہیئے
حجرالاسود دیوارِ حرم کیجے فرض
نافہ آہوے بیابانِ ختن کا کہیئے
وضع میں اس کو اگر سمجھیئے قافِ تریاق
رنگ میں سبزۂ نوخیزِ مسیحا کہیئے
صومعے میں گر اسے ٹھہرائیے مہرِ نماز
میکدے میں اسے خشتِ خمِ صہبا کہیئے

Scanned by CamScanner

۱۰ کیوں اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھیے
کیوں اسے نقطۂ پرکارِ تمنا کہیے
کیوں اسے گوہرِ نایاب تصور کیجے
کیوں اسے مردمکِ دیدۂ عنقا کہیے
کیوں اسے تکمۂ پیراہنِ لیلیٰ لکھیے
کیوں اسے نقشِ پئے ناقۂ سلمیٰ کہیے
بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے
(۱۸۲۸ — ۲۹ کلکتے میں فی البدیہہ)

(۲)

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
اک تیر میرے سینے پہ مارا کہ ہائے ہائے
۱۵ وہ سبزہ زار ہائے مطرا کہ ہے غضب
وہ نازنیں بتانِ خود آرا کہ ہائے ہائے
صبر آزما وہ ان کی نگاہیں کہ حف نظر
۵ طاقت ربا وہ ان کا اشارہ کہ ہائے ہائے
وہ میوہ ہائے تازۂ شیریں کہ واہ واہ
وہ بادہ ہائے نابِ گوارا کہ ہائے ہائے
(۱۸۲۳)

(۳)

(اقتباس)

در معنی سے مرا صفحہ لقا کی ڈاڑھی
غمِ گیتی سے مرا سینہ عمر کی زنبیل

Scanned by CamScanner

فکر میری گہر اندوز اشارات کثیر
کلک میری رقم آموز عبارات قلیل

۲۰ میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدق توضیح
میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش تفصیل

(بعد از ۱۸۴۷)

(اقتباس)

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے

۲۵ قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہیں ۵
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

(۱۸۵۲)

(۵)

(اقتباس)

پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں
ذوق آرائش سر و دستار

Scanned by CamScanner

کچھ تو جاڑے میں چاہئے آخر
تا نہ دے باد زمہریر آزار
کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش
جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
۳۰ کچھ خریدا نہیں ہے اب کے سال
کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار
رات کو آگ اور دن کو دھوپ
بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار
میری تنخواہ میں چہارم کا
ہو گیا ہے شریک ساہوکار
آج مجھ سا نہیں زمانے میں
شاعر نغز گوے خوش گفتار
رزم کی داستان گر سنیئے
ہے زباں میری تیغ جوہر دار
۳۵ بزم کا التزام اگر کیجے
ہے قلم میری ابر گوہر بار
ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد
قہر ہے گر کرو نہ مجھ کو پیار

(۱۸۵۵)

(۶)

افطار صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو
اس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے
جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

(۱۸۵۴)

(۷)

سیہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے
جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
۴۰ ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے
کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے
(۱۸۵۵)

مثنوی

(۸)

(اقتباس)

بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
خامہ نخل رطب فشاں ہو جائے
آم کے آگے پیش جاوے خاک
پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک
نہ چلا جب کسی طرح مقدور
بادۂ ناب بن گیا انگور
یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے
شرم سے پانی پانی ہونا ہے
۴۵ مجھ سے پوچھو تمھیں خبر کیا ہے ۵
آم کے آگے نیشکر کیا ہے
جان میں ہوتی گر یہ شیرینی
کوہ کن باوجود غم گینی
جان دینے میں اس کو یکتا جان
پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان
آتش گل پہ قند کا ہے قوام
شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام

Scanned by CamScanner

یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات
مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات
تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل ۵۰ ۱۰
ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل
صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم
نازپروردۂ بہار ہے آم

(۱۸۵۵)

قصیدہ

(۹)

(اقتباس)

ہاں مہِ نو سنیں ہم اس کا نام
جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام
دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح
یہی انداز اور یہی اندام
بارے دو دن کہاں رہا غائب
بندہ عاجز ہے گردشِ ایام
اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا ۵۵
آسماں نے بچھا رکھا تھا دام
مرحبا اے سرور خاص خواص ۵
حبذا اے نشاط عام عوام
عذر میں تین دن نہ آنے کے
لے کے آیا ہے عید کا پیغام
اس کو بھولا نہ چاہیئے کہنا
صبح جو جاوے اور آوے شام

راز دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے
مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں نمام

۶۰ جانتا ہوں کہ آج دنیا میں
ایک ہی ہے امید گاہ انام

۱۰ میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش
غالب اس کا مگر نہیں ہے غلام

جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو
تب کہا ہے بطرز استفہام

مہر تاباں کو ہو تو ہو اے ماہ
قرب ہر روزہ بر سبیل دوام

تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا
جز بہ تقریب عید ماہ صیام

۶۵ جانتا ہوں کہ اس کے فیض سے تو
پھر بنا چاہتا ہے ماہ تمام

۱۵ ماہ بن ماہتاب بن میں کون
مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام

میرا اپنا جدا معاملہ ہے
اور کے لین دین سے کیا کام

ہے مجھے آرزوے بخشش خاص
گر تجھے ہے امید رحمت عام

جو کہ بخشے گا تجھ کو فر فروغ
کیا نہ دے گا مجھے مے گل فام

۷۰ جب کہ چودہ منازل فلکی
کر چکے قطع تیری تیزی گام

Scanned by CamScanner

تیرے پرتو سے ہوں فروغ پذیر
کوے و مشکوے و صحن و منظر و بام
دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز
اپنی صورت کا اک بلوریں جام
کہہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ
اے پری چہرہ پیک تیز خرام
کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا
ہیں مہ و مہر و زہرہ و بہرام
۷۵ تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن
نام شاہنشہ بلند مقام
قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ
۲۵
مظہر ذوالجلال والاکرام
جس کا ہر فعل صورتِ اعجاز
جس کا ہر قول معنی الہام
جاں نثاروں میں تیرے قیصر روم
جرعہ خواروں میں تیرے مرشد جام
وارث ملک جانتے ہیں تجھے
ایرج و تور و خسرو و بہرام
۸۰ زور بازو میں مانتے ہیں تجھے
گیو و گودرز و بیژن و رہام
مرحبا موشگافی ناوک
۳۰
آفریں آب داری صمصام
تیر کو تیرے تیر غیر ہدف
تیغ کو تیری تیغ خصم نیام

رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند
برق کو دے رہا ہے کیا الزام
تیرے فیلِ گراں جسد کی صدا
تیرے رخشِ سبک عناں کا خرام
۸۵ جب ازل میں رقم پذیر ہوئے
صفحہ ہائے لیالی و ایام
۳۵ لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کش
لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام
آسماں کو کہا گیا کہ کہیں
گنبدِ تیز گردِ نیلی نام
حکمِ ناطق لکھا گیا کہ لکھیں
خال کو دانہ اور زلف کو دام
آتش و آب و باد و خاک نے لی
وضعِ سوز و نم و رم و آرام
۹۰ مہرِ رخشاں کا نام خسروِ روز
ماہِ تاباں کا اسم شحنۂ شام
۴۰ تیری توقیعِ سلطنت کو بھی
دی بدستور صورتِ ارقام
کاتبِ حکم نے بموجبِ حکم
اس رقم کو دیا طرازِ دوام
ہے ازل سے روائیِ آغاز
ہو ابد تک رسائیِ انجام

(۱۸۵۳)

غزلیات

(۱۰)

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

۹۵ کاو کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے
سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

۵ بس کہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیرِ پا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

(۱۸۱۶)

(۱۱)

ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی
میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

(۱۸۲۱)

(۱۲)

۱۰۰ کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے مدعا پایا

دوستدارِ دشمن ہے اعتمادِ دل معلوم
آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا

سادگی و پرکاری بے خودی و ہشیاری
حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

Scanned by CamScanner

غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل
خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا

(۱۸۲۱)

(۱۳)

دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا
آتشِ خاموش کے مانند گویا جل گیا

۱۰۵ دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں
آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا
میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالبؔ کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

(۱۸۱۶)

(۱۴)

شوق ہر رنگ رقیبِ سروساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

۱۱۰ دل میں پھر گریے نے اک شور اٹھایا غالبؔ
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

(۱۸۲۱)

(۱۵)

تھا زندگی میں موت کا کھٹکا لگا ہوا
اڑنے سے پیشتر ہی مرا رنگ زرد تھا

rekhta

Scanned by CamScanner

دل تا جگر کہ ساحلِ دریائے خوں ہے اب
اس رہ گذر میں جلوۂ گُل آگے گرد تھا
جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہِ عشق کی
دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا
یہ لاشِ بے کفن اسدؔ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا
(بعد از ۱۸۲۱)

(۱۶)

۱۱۵ دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا
میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا
کس سے محرومیِ قسمت کی شکایت کیجے
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا
(۱۸۲۱)

(۱۷)

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا
وہ اک گلدستہ ہے ہم بے خودوں کے طاقِ نسیاں کا
کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے
کرے جو پرتوِ خورشید عالم شبنمستاں کا
۱۲۰ مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برقِ خرمن کا ہے خونِ گرمِ دہقاں کا
ہنوز اک پرتوِ نقشِ خیالِ یار باقی ہے
دلِ افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا
نظر میں ہے ہماری جادۂ راہِ فنا غالبؔ
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا
(بعد از ۱۸۲۶)

۵

Scanned by CamScanner

(۱۸)

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے
کہ موجِ بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

(۱۸۲۱)

(۱۹)

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

(۱۸۱۶)

(۲۰)

۱۲۵ محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
رنگِ شکستہ صبحِ بہارِ نظارہ ہے
یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا
ہیں بس کہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے
ہر گوشۂ بساط ہے سر شیشہ باز کا
۵ تاراجِ کاوشِ غمِ ہجراں ہوا اسدؔ
سینہ کہ تھا دفینہ گہرہائے راز کا

(بعد از ۱۸۲۱)

(۲۱)

۱۳۰ گو نہ سمجھوں اس کی باتیں گو نہ پاؤں اس کا بھید
پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا
ہے خیال حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال
خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا
منہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں
زلف سے بڑھ کر نقاب اس شوخ کے منہ پر کھلا

Scanned by CamScanner

در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا
جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا
اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند ۵
واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا

(۱۸۵۳)

(۲۲)

کچھ نہ کی اپنی جنون نارسا نے ورنہ یاں ۱۳۵
ذرہ ذرہ روکش خورشید عالمتاب تھا

(۱۸۱۶)

(۲۳)

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب
خون جگر ودیعت مژگان یار تھا
اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو
توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا
موج سراب دشت وفا کا نہ پوچھ حال
ہر ذرہ مثل جوہر تیغ آب دار تھا
کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو پر اب
دیکھا تو کم ہوئے پہ غم روزگار تھا

(۱۸۲۱)

(۲۴)

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا ۱۴۰
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا

rekhta

Scanned by CamScanner

عشرتِ قتل گہِ اہلِ تمنا مت پوچھ
عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا
عشرتِ پارۂ دل زخمِ تمنا کھانا
لذتِ ریشِ جگر غرقِ نمکداں ہونا
کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا
(۱۸۲۱)

(۲۵)

۱۴۵ پوچھ مت رسوائیٔ اندازِ استغنائے حسن
دست مرہونِ حنا رخسار رہنِ غازہ تھا
نالۂ دل نے دیئے اوراقِ لختِ دل بہ باد
یادگارِ نالہ اک دیوانِ بے شیرازہ تھا
(۱۸۲۱)

(۲۶)

دوست غمخواری میں میری سعی فرماویں گے کیا
زخم کے بھرتے تلک ناخن نہ بڑھ جاویں گے کیا
آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لاویں گے کیا
ہے اب اس معمورے میں قحطِ غمِ الفت اسد
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے کھاویں گے کیا
(بعد از ۱۸۲۱)

(۲۷)

۱۵۰ یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا
ترے وعدے پہ جیئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

Scanned by CamScanner

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
۵ کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شب غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
(بعد از ۱۸۴۷)

(۲۸)

۱۵۵ ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا
فروغ شعلۂ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاس ناموس وفا کیا
دماغ عطر پیراہن نہیں ہے
غم آوارگی ہائے صبا کیا
سن اے غارت گر جنس وفا سن
شکست قیمت دل کی صدا کیا
(بعد از ۱۸۲۶)

(۲۹)

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود بیں ہیں کہ ہم
الٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا
۱۶۰ سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا
روبرو کوئی بت آئینہ سیما نہ ہوا
سینے کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا

Scanned by CamScanner

نام کا میرے ہے جو دکھ کہ کسی کو نہ ملا
کام میں میرے ہے جو فتنہ کہ برپا نہ ہوا

۵ قطرے میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا
(۱۸۵۴)

(۳۰)

۱۶۵ زکوٰۃ حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا
چراغ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا
(۱۸۱۶)

(۳۱)

درد منت کش دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو
اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

ہے خبر گرم ان کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

۱۷۰ ۵ کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

زخم گر دب گیا لہو نہ تھما
کام گر رک گیا روا نہ ہوا
(۱۸۵۴)

Scanned by CamScanner

(۳۲)

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیٔ جا کا
گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا
حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی
دوام کلفت خاطر ہے عیش دنیا کا
۱۷۵ غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو
مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا
فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اسکو یاد اسد
جفا میں اس کی ہے انداز کارفرما کا

(۱۸۲۱)

(۳۳)

جب بہ تقریب سفر یار نے محمل باندھا
تپش شوق نے ہر ذرے پہ اک دل باندھا
نہ بندھے تشنگی شوق کے مضموں غالب
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

(۱۸۲۱)

(۳۴)

درماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں
جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

(بعد از ۱۸۴۷)

(۳۵)

۱۸۰ گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا
بحر گر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا

(بعد از ۱۸۴۷)

Scanned by CamScanner

(۳۶)

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

ہوا جب غم سے یوں بے حس تو غم کیا سر کے کٹنے کا
نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا

ہوئی مدت کہ غالب مرگیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر یک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

(بعد ۱۸۴۷)

(۳۷)

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

۱۸۵ سو بار بند عشق سے آزاد ہم ہوئے
پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا

بے خون دل ہے چشم میں موج نگہ غبار
یہ مے کدہ خراب ہے مے کے سراغ کا

(۱۸۱۶)

(۳۸)

یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز
چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ
اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا

عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا
نبض خس سے تپش شعلۂ سوزاں سمجھا

(۱۸۲۱)

Scanned by CamScanner

(۳۹)

۱۹۰ پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل جگر تشنۂ فریاد آیا
دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقت سفر یاد آیا
سادگی ہائے تمنا یعنی
پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا
عذر واماندگی اے حسرت دل
نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا
زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی
کیوں ترا راہ گذر یاد آیا
۱۹۵ کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی ۵
گھر ترا خلد میں گر یاد آیا
آہ وہ جرأت فریاد کہاں
دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا
پھر ترے کوچے کو جاتا ہے خیال
دل گم گشتہ مگر یاد آیا
کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا
(۱۸۲۱)

(۴۰)

۲۰۰ ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

rekhta

Scanned by CamScanner

تم سے بے جا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس میں کچھ شائبۂ خوبیِ تقدیر بھی تھا

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتہ بتلا دوں
کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

پیشے میں عیب نہیں رکھیے نہ فرہاد کو نام
ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا

۲۰۵ ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی ۵
آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

(بعد از ۱۸۴۷)

(۴۱)

تو دوست کسی کا بھی ستم گر نہ ہوا تھا
اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا

چھوڑا مہ نخشب کی طرح دست قضا نے
خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا

توفیق بہ اندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

۲۱۰ دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

(۱۸۲۱)

(۴۲)

حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو
دل بہ دل پیوستہ گویا یک لب افسوس تھا

(۱۸۱۶)

Scanned by CamScanner

(۴۳)

مرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

جاتا ہوں داغ حسرت ہستی لئے ہوئے
ہوں شمع کشتہ در خور محفل نہیں رہا

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں
شایان دست و خنجر قاتل نہیں رہا

۲۱۵ ، بر روئے شش جہت در آئینہ باز ہے
یاں امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا

۵ وا کر دیئے ہیں شوق نے بند نقاب حسن
غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

دل سے ہوائے کشت وفا مٹ گئی کہ واں
حاصل سوائے حسرت حاصل نہیں رہا

بیداد عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

(۱۸۱۶)

(۴۴)

شوق ہے ساماں طراز نازش ارباب عجز
ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا

(۱۸۲۱)

(۴۵)

۲۲۰ ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے ادھر ہوتا کاش کے مکاں اپنا

دردِ دل لکھوں کب تک جاؤں ان کو دکھلادوں
انگلیاں فگار اپنی خامہ خوں چکاں اپنا

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالبؔ دشمن آسماں اپنا

(بعد از ۱۸۴۷)

(۴۶)

بزمِ قدح سے عیشِ تمنا نہ رکھ کہ رنگ
صیدِ ز دام جستہ ہے اس دام گاہ کا

۲۲۵ رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

(۱۸۱۶)

(۴۷)

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

(۱۸۱۶)

(۴۸)

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

تجھ سے قسمت میں مری صورتِ قفلِ ابجد
تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

دل ہوا کشمکشِ چارۂ زحمت میں تمام
مٹ گیا گھسنے میں اس عقدے کا وا ہو جانا

۲۳۰ ضعف سے گریہ مبدل بہ دمِ سرد ہوا
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال
ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

Scanned by CamScanner

ہے مجھے ابرِ بہاری کا برس کر کھلنا
روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا

(ق) بخشے ہے جلوۂ گل ذوقِ تماشا غالب
چشم کو چاہیئے ہر رنگ میں وا ہو جانا

تا کہ تجھ پر کھلے اعجازِ ہوائے صیقل
دیکھ برسات میں سبز آئینے کا ہو جانا

(بعد از ۱۸۲۱)

(۴۹)

۲۳۵ پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب
دے بطِ مے کو دل و دستِ شنا موجِ شراب

پوچھ مت وجہ سیہ مستیِ اربابِ چمن
سایۂ تاک میں ہوتی ہے ہوا موجِ شراب

جو ہوا غرقۂ مے بختِ رسا رکھتا ہے
سر سے گذرے پہ بھی ہے بالِ ہما موجِ شراب

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر
موجِ ہستی کو کرے فیضِ ہوا موجِ شراب

چار موج اٹھتی ہے طوفانِ طرب سے ہر سو
موجِ گل موجِ شفق موجِ صبا موجِ شراب

۲۴۰ بس کہ دوڑے ہے رگِ تاک میں خوں ہو ہو کر ۵
شہپرِ رنگ سے ہے بال کشا موجِ شراب

موجۂ گل سے چراغاں ہے گذرگاہِ خیال
ہے تصور میں زبس جلوہ نما موجِ شراب

نشے کے پردے میں ہے محوِ تماشائے دماغ
بس کہ رکھتی ہے سرِ نشو و نما موجِ شراب

Scanned by CamScanner

شرحِ ہنگامۂ ہستی ہے زہے موسمِ گل
رہبرِ قطرہ بہ دریا ہے خوشا موجِ شراب
ہوش اڑتے ہیں مرے جلوۂ گل دیکھ اسد
پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب
(بعد از ۱۸۲۱)

(۵۰)

۲۴۵ لکھتا ہوں اسد شورشِ دل سے سخن گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت
(۱۸۱۶)

(۵۱)

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد
منصبِ شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
ہوئی معزولیِ انداز و ادا میرے بعد
شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد
خوں ہے دل خاک میں احوالِ بتاں پر یعنی
ان کے ناخن ہوئے محتاجِ حنا میرے بعد
۲۵۰ کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق
ہے مکرر لبِ ساقی میں صلا میرے بعد
آئے ہے بے کسیِ عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد
(۱۸۲۱)

(۵۲)

وفورِ اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ
کہ ہو گئے مرے دیوار و در در و دیوار
(۱۸۲۱)

Scanned by CamScanner

(۵۳)

جی ہی میں کچھ نہیں ہے ہمارے وگرنہ ہم
سر جائے یا رہے نہ رہیں پر کہے بغیر
مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر
۲۵۵ ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

(بعد از ۱۸۴۷)

(۵۴)

کیوں جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھ کر
جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر
واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریص لذت آزار دیکھ کر
بک جاتے ہیں ہم آپ متاع سخن کے ساتھ
لیکن عیار طبع خریدار دیکھ کر
زنار باندھ سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال
رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر
۲۶۰ ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں ۵
جی خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھ کر
گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

(۱۸۳۳)

(۵۵)

لرزتا ہے مرا دل زحمت مہر درخشاں پر
میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خار بیاباں پر

Scanned by CamScanner

نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر
فنا تعلیم درس بے خودی ہوں اس زمانے سے
کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوار دبستاں پر
مجھے اب دیکھ کر ابر شفق آلودہ یاد آیا ۲۶۵
کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر
بجز پرواز شوق ناز کیا باقی رہا ہوگا
قیامت اک ہوائے تند ہے خاک شہیداں پر
نہ لڑ ناصح سے غالب کیا ہوا گر اس نے شدت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر
(۱۸۲۱)

(۵۶)

ہرچند سبک دست ہوئے بت شکنی میں
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگ گراں اور
لوگوں کو ہے خورشید جہاں تاب کا دھوکا
ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ نہاں اور
پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے ۲۷۰
رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور
(۱۸۵۲)

(۵۷)

برنگ کاغذ آتش زدہ نیرنگ بے تابی
ہزار آئینہ دل باندھے ہے بال یک تپیدن پر
فلک سے ہم کو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
متاع بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر

۱۲۴۹۲

Scanned by CamScanner

اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

(۱۸۱۶)

(۵۸)

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح و مہر
ہے داغ عشق زینت جیب وکفن ہنوز
ہے ناز مفلساں زر از دست رفتہ پر ۲۷۵
ہوں گل فروش شوخی داغ کہن ہنوز
مے خانۂ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں
خمیازہ کھینچے ہیں بت بیداد فن ہنوز

(۱۸۱۶)

(۵۹)

نہ پوچھ وسعت مے خانۂ جنوں غالب
جہاں یہ کاسۂ گردوں ہے ایک خاک انداز

(۱۸۲۱)

(۶۰)

نہ گل نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز
تو اور آرائش خم کاکل
میں اور اندیشہ ہائے دور و دراز
لاف تمکیں فریب سادہ دلی ۲۸۰
ہم ہیں اور راز ہائے سینہ گداز
ہوں گرفتار الفت صیاد
ورنہ باقی ہے طاقت پرواز

rekhta

Scanned by CamScanner

وہ بھی دن ہو کہ اس ستم گر سے ۵
ناز کھینچوں بجائے حسرت ناز
نہیں دل میں مرے وہ قطرۂ خوں
جس سے مژگاں ہوئی نہ ہو گلباز
اے ترا غمزہ یک قلم انگیز
اے ترا ظلم سربسر انداز
تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو ۲۸۵
ریزشِ سجدۂ جبینِ نیاز
مجھ کو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا
میں غریب اور تو غریب نواز
اسد اللہ خاں تمام ہوا ۱۰
اے دریغا وہ رندِ شاہد باز
(۱۸۲۱)

(۶۱)

دہنِ شیر میں جا بیٹھیے لیکن اے دل
نہ کھڑے ہو جیئے خوبانِ دل آزار کے پاس
دیکھ کر تجھ کو چمن بسکہ نمو کرتا ہے
خود بخود پہنچے ہے گل گوشۂ دستار کے پاس
(۱۸۲۱)

(۶۲)

شور جولاں تھا کنارِ بحر پر کس کا کہ آج ۲۹۰
گردِ ساحل ہے بہ زخمِ موجۂ دریا نمک
(۱۸۲۱)

(۶۳)

آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہوتے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہوتے تک

rekhta

Scanned by CamScanner

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھوں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہوتے تک
عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہوتے تک
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہوتے تک
۲۹۵ پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم ۵
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہوتے تک
یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل
گرمیِ بزم ہے اک رقصِ شرر ہوتے تک
غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہوتے تک

(۱۸۲۱)

(۶۴)

گر تجھ کو ہے یقینِ اجابت دعا نہ مانگ
یعنی بغیر یک دلِ بے مدعا نہ مانگ
آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

(۱۸۱۶)

(۶۵)

۳۰۰ شرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے
مینائے بے شراب و دلِ بے ہوائے گل
غالب مجھے ہے اس سے ہم آغوشی آرزو
جس کا خیال ہے گلِ جیبِ قبائے گل

(بعد از ۱۸۲۱)

Scanned by CamScanner

(۶۶)

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم
محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ باز خیال
ہیں ورق گردانی نیرنگ یک بت خانہ ہم
باوجود یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں
ہیں چراغان شبستان دل پروانہ ہم
(۱۸۱۶)

(۶۷)

۳۰۵ مجھ کو دیار غیر میں مارا وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بے کسی کی شرم
(۱۸۳۳)

(۶۸)

تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائی خیال کہاں
(بعد از ۱۸۲۱)

(۶۹)

کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں
اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں
اک شرر دل میں ہے اس سے کوئی گھبرائے گا کیا
آگ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں
(۱۸۴۷)

Scanned by CamScanner

(۷۰)

۳۱۰ آبرو کیا خاک اس گل کی کہ گلشن میں نہیں
ہے گریباں ننگ پیراہن جو دامن میں نہیں
ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہ آفتاب
ذرے اس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں
رونق ہستی ہے عشق خانہ ویراں ساز سے
انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں
لے گئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی مری
موج مے کی آج رگ مینا کی گردن میں نہیں
۵ تھی وطن میں شان کیا غالب کہ ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مشت خس کہ گلخن میں نہیں

(بعد از ۱۸۲۶)

(۷۱)

۳۱۵ مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں
ضعف میں طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے
بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں
زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں

(۱۸۳۳)

(۷۲)

ہم پر جفا سے ترک وفا کا گماں نہیں
اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحاں نہیں
کس منہ سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا
پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں

Scanned by CamScanner

۳۲۰ ہم کو ستم عزیز ستم گر کو ہم عزیز
نا مہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں

خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم
دل میں چھری چبھو مژہ گر خوں چکاں نہیں

نقصاں نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب
سو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں ۵

پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی
روح القدس اگرچہ مرا ہم زباں نہیں

(۱۸۴۷)

(۷۳)

شوق اس دشت میں دوڑائے ہے مجھ کو کہ جہاں
جادہ غیر از نگہ دیدۂ تصویر نہیں

(۱۸۲۱)

(۷۴)

۳۲۵ کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

(۱۸۲۶)

(۷۵)

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

ترے سرو قامت سے یک قد آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

تماشا کہ اے محو آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

Scanned by CamScanner

سراغ نالہ تف لے داغ دل سے
کہ شبرو کا نقش قدم دیکھتے ہیں

(۱۸۱۶)

(۷۶)

۲۳۰ تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر
آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دور جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا
لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں

۵ ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

۲۳۵ رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھیئے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی
ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

(۱۸۴۷)

Scanned by CamScanner

(۷۷)

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

۳۴۰ چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر یک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میں

۵ اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا
سمجھا ہوں دل پذیر متاع ہنر کو میں

(۱۸۴۹)

(۷۸)

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت
یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں

(بعد از ۱۸۲۶)

(۷۹)

۳۴۵ تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم
ہو غم ہی جاں گداز تو غم خوار کیا کریں

(۱۸۵۲)

(۸۰)

قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشت قیس میں آنا
تعجب سے وہ بولا یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں

(۱۸۱۶)

Scanned by CamScanner

(۸۱)

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
مہر گردوں ہے چراغ رہگذار بادیاں

(۱۸۱۶)

(۸۲)

یہ ہم جو ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں
کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں
۳۵۰ وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
نظر لگے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

(۱۸۳۳)

(۸۳)

جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہمیں کیا کام
دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں

(۱۸۵۵)

(۸۴)

زمانہ سخت کم آزار ہے بجان اسد
وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

(۱۸۱۹)

(۸۵)

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں
۳۵۵ کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں

Scanned by CamScanner

کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لئے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

(۱۸۵۰)

(۸۶)

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں

تھیں بنات النعش گردوں دن کو پردے میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں

۳۶۰ جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

۵ ان پری زادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام
قدرت حق سے یہی حوریں اگر واں ہو گئیں

نیند اس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار
جو مری کوتاہی قسمت سے مژگاں ہو گئیں

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

۳۶۵ رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

(۱۸۵۲)

(۸۷)

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

Scanned by CamScanner

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یاں
طاقت بقدر لذت آزار بھی نہیں
گنجائش عداوت اغیار یک طرف
یاں دل میں ضعف سے ہوس یار بھی نہیں
اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
۳۷۰ دیکھا اسدؔ کو خلوت و جلوت میں بارہا ۵
دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں
(۱۸۲۶)

۸۸

ہوئے اس مہر وش کے جلوۂ تمثال کے آگے
پر افشاں جو ہر آئینے میں مثل ذرہ روزن میں
نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت مخالف ہے
جو گل ہوں تو ہوں گلخن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں
(۱۸۱۶)

(۸۹)

مزے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
سوائے خون جگر سو جگر میں خاک نہیں
مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے
وگرنہ تاب و تواں بال و پر میں خاک نہیں
۳۷۵ خیال جلوۂ گل سے خراب ہیں میکش
شراب خانے کے دیوار و در میں خاک نہیں
ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسدؔ
کھلا کہ فائدہ عرض ہنر میں خاک نہیں
(۱۸۲۶)

Scanned by CamScanner

(۹۰)

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں
دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم غیر ہمیں اٹھائے کیوں
جب وہ جمال دلفروز صورت مہر نیم روز
آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے میں منہ چھپائے کیوں
۲۸۰ دشنۂ غمزہ جاں ستاں ناوک ناز بے پناہ
تیرا ہی عکس رخ سہی سامنے تیرے آئے کیوں
۵ قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں
حسن اور اس پہ حسن ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد ہے اور کو آزمائے کیوں
واں وہ غرور عز و ناز یاں یہ حجاب پاس وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں، بزم میں وہ بلائے کیوں
ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں
۲۸۵ غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
روئیے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں

(۱۸۵۳)

(۹۱)

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسے کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں
پرسش طرز دلبری کیجئے کیا کہ بن کہے
اس کے ہر اک اشارے سے نکلے ہے یہ ادا کہ یوں

Scanned by CamScanner

رات کے وقت مے پیئے ساتھ رقیب کو لئے
آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیئے غیر سے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

۳۹۰ مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح
دیکھ کے میری بےخودی چلنے لگی ہوا کہ یوں

کب مجھے کوے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی
آئینہ دار بن گئی حیرت نقش پا کہ یوں

گر ترے دل میں ہو خیال وصل میں شوق کا زوال
موج محیط آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں

(۱۸۲۱)

(۹۲)

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو
کہ چشم تنگ شاید کثرت نظارہ سے وا ہو

(۱۸۱۶)

(۹۳)

طاعت میں تا رہے نہ مئے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

(۱۸۵۵)

(۹۴)

۳۹۵ وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا
ہے دل پہ بار نقش محبت ہی کیوں نہ ہو

rekhta

Scanned by CamScanner

ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

وارستگی بہانۂ بے گانگی نہیں
اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو

مٹتا ہے فوت فرصتِ ہستی کا غم کوئی
عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو
(بعد از ۱۸۲۱)

(۹۵)

۴۰۰ قفس میں ہوں گر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
مرا ہونا برا کیا ہے نوا سنجانِ گلشن کو

نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اس جراحت پر
کیا سینے میں جس نے خوں چکاں مژگانِ سوزن کو

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آسان سمجھتے ہیں
نہیں دیکھا شناور جوئے خوں میں تیرے توسن کو

وفاداری بہ شرطِ استواری اصلِ ایماں ہے
مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

۵ نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو
(۱۸۵۳)

(۹۶)

۴۰۵ ہے جوش گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف
اڑتے ہوئے الجھتے ہیں مرغ چمن کے پانو
(۱۸۳۸)

(۹۷)

کیا وہ بھی بے گنہ کش و ناحق شناس ہیں
مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو

Scanned by CamScanner

جب مے کدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو
(۱۸۴۷)

(۹۸)

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیوں کر ہو
کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیوں کر ہو
ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال
کہ گر نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیوں کر ہو
۴۱۰ ہمیں پھر ان سے امید اور انھیں ہماری قدر
ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیوں کر ہو
غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا
نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیوں کر ہو
۵ بتاؤ اس مژہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرار
یہ نیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیوں کر ہو
(۱۸۵۳)

(۹۹)

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو
وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو
۴۱۵ وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو
قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے ۵
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو
کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی
بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو
(۱۸۵۴)

(۱۰۰)

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
۴۲۰ بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو بیمار دار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو
(۱۸۴۴)

(۱۰۱)

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ
طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ
(۱۸۱۶)

(۱۰۲)

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے
طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے
یا میرے زخم رشک کو رسوا نہ کیجیے
یا پردۂ تبسم پنہاں اٹھائیے
(۱۸۲۱)

(۱۰۳)

۴۲۵ سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

Scanned by CamScanner

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے

(۱۸۲۱)

(۱۰۴)

رہے اس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے
تکلف برطرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی
خیال مرگ کب تسکیں دل آزردہ کو بخشے
مرے دام تمنا میں ہے اک صید زبوں وہ بھی
مئے عشرت کی خواہش ساقی گردوں سے کیا کیجے
لئے بیٹھا ہے اک دو چار جام واژگوں وہ بھی
مرے دل میں ہے غالب شوق وصل و شکوۂ ہجراں ۴۳۰
خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

(۱۸۲۱)

(۱۰۵)

بیداد وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر
ہرچند مری جان کو تھا ربط لبوں سے

(۱۸۲۱)

(۱۰۶)

گھر میں کیا تھا کہ ترا غم اسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

(۱۸۳۳)

(۱۰۷)

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی
فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

Scanned by CamScanner

پٹنا پرنیاں میں شعلۂ آتش کا آساں ہے
وے مشکل ہے حکمت دل میں سوزِ غم چھپانے کی

۴۳۵ انھیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا
اٹھے تھے سیرِ گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی
(۱۸۲۱)

(۱۰۸)

کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہان ہے
جس میں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا
کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے

۴۴۰ ہے بارے اعتمادِ وفاداری اس قدر
غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہرباں ہے ۵

(بعد از ۱۸۲۱)

(۱۰۹)

ہر یک مکان کو ہے مکیں سے شرف اسد
مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے

(۱۸۲۱)

(۱۱۰)

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے
(۱۸۲۱)

Scanned by CamScanner

(۱۱۱)

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا
ہر کوئی درماندگی میں نالے سے ناچار ہے
۴۴۵ ہے وہی بدمستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ
جس کے جلوے سے زمیں تا آسماں سرشار ہے

(۱۸۲۱)

(۱۱۲)

وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم
اثر فریاد دل ہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

(۱۸۱۶)

(۱۱۳)

دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے ہمیں
ورنہ یاں بے رونقی سود چراغ کشتہ ہے

(۱۸۱۹)

(۱۱۴)

چشم خوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے
سرمہ تو کہوے کہ دود شعلۂ آواز ہے
پیکر عشاق ساز طالع ناساز ہے
نالہ گویا گردش سیارہ کی آواز ہے
۴۵۰ دستگاہ دیدۂ خوں بار مجنوں دیکھنا
یک بیاباں جلوۂ گل فرش پا انداز ہے

(۱۸۱۶)

(۱۱۵)

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی
میری وحشت تری شہرت ہی سہی

Scanned by CamScanner

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو
آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

۴۵۵ عمر ہر چند کہ ہے برق خرام
دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی ۵

یار سے چھیڑ چلی جائے اسد
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

(بعد از ۱۸۲۱)

(۱۱۶)

ڈھونڈے ہے اس مغنی آتش نفس کو جی
جس کی صدا ہو جلوۂ برق فنا مجھے

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

(۱۸۱۶)

(۱۱۷)

۴۶۰ زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

(۱۸۳۵)

Scanned by CamScanner

(۱۱۸)

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

(بعد از ۱۸۴۷)

(۱۱۹)

نظارہ کیا حریف ہو اس برق حسن کا
جوش بہار جلوے کو جس کے نقاب ہے

(۱۸۲۱)

(۱۲۰)

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے
آبگینہ تندیٔ صہبا سے پگھلا جائے ہے

اس کی بزم آرائیاں سن کر دل رنجور یاں
مثل نقش مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے

۴۶۵

ہو کے عاشق وہ پری رو اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے

نقش کو اس کے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں
کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھنچتا جائے ہے

۵

سایہ میرا مجھ سے مثل دود بھاگے ہے اسد
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

(بعد از ۱۸۲۱)

(۱۲۱)

اگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے
(۱۸۳۳)

(۱۲۲)

۴۷۰ دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے با ایں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے
بس ہجوم نا امیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اک لذت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے
ہے دلِ شوریدۂ غالب طلسمِ پیچ و تاب
رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

(۱۸۲۸)

(۱۲۳)

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی
۴۷۵ وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی
اڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں
بارے اب اے ہوا ہوسِ بال و پر گئی
دیکھو تو دل فریبیِ اندازِ نقشِ پا
موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی
۵ ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی
نظارے نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی
۴۸۰ مارا زمانے نے اسد اللہ خاں تمہیں
وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی
(۱۸۳۳)

Scanned by CamScanner

(۱۲۴)

تسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے

حورانِ خلد میں تری صورت مگر ملے

اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعدِ قتل

میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم

میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں

جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

۴۸۵ اے ساکنانِ کوچۂ دلدار دیکھنا ۵

تم کو کہیں جو غالبِ آشفتہ سر ملے

(بعد از ۱۸۴۷)

(۱۲۵)

کوئی دن گر زندگانی اور ہے

اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے

(بعد از ۱۸۴۷)

(۱۲۶)

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی

اب کسی بات پر نہیں آتی

(بعد از ۱۸۴۷)

۱۲۷

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے

آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ق جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود

پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

Scanned by CamScanner

۴۹۰ یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے
شکنِ زلفِ عنبریں کیوں ہے
نگہِ چشمِ سرمہ سا کیا ہے
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے
(بعد از ۱۸۴۷)

(۱۲۸)

جلاد سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے
ہم سمجھے ہوئے ہیں اسے جس بھیس میں جو آئے
ہاں اہلِ طلب کون سنے طعنۂ نایافت
دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے
۴۹۵ اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
اس در پہ نہیں بار تو کعبے ہی کو ہو آئے
(۱۸۵۱)

(۱۲۹)

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے
(بعد از ۱۸۲۱)

(۱۳۰)

کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعیِ آزادی
ہوئی زنجیر موجِ آب کو فرصت روانی کی
(۱۸۱۶)

(۱۳۱)

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

Scanned by CamScanner

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیان کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

۵۰۰ سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر
وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں
تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

۵ لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خوں چکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

(۱۸۲۶)

(۱۳۲)

ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے

نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال
مدت ہوئی کہ آشتیِ چشم و گوش ہے

۵۰۵ دیدار بادہ حوصلہ ساقی نگاہ مست
بزمِ خیال مے کدۂ بے خروش ہے

ق اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل
زنہار اگر تمھیں ہوسِ نائے و نوش ہے

۵ دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

ساقی بہ جلوہ دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گلفروش ہے

Scanned by CamScanner

۵۱۰ لطف خرام ساقی و ذوق صدائے چنگ
یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے
یا صبح دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں
نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے
داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی ۱۰
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے
آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے
(بعد از ۱۸۲۶)

(۱۳۳)

دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بدلے
نشہ بہ اندازۂ خمار نہیں ہے
(۱۸۲۱)

(۱۳۴)

۵۱۵ دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت
ہے نگاہ آشنا تیرا سر ہر مو مجھے
ہوں سراپا ساز آہنگ شکایت کچھ نہ پوچھ
ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے
(۱۸۱۲)

(۱۳۵)

دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستم گر
کچھ تجھ کو مزا بھی مرے آزار میں آوے
کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا وادی پرخار میں آوے
غارت گر ناموس نہ ہو گر ہوس زر
کیوں شاہد گل باغ سے بازار میں آوے

Scanned by CamScanner

۵۲۰ آتش کدہ ہے سینہ مرا رازِ نہاں سے
اے وائے اگر معرضِ اظہار میں آوے
گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالبؔ مرے اشعار میں آوے
(۱۸۲۳)

(۱۳۶)

حسنِ مہ گرچہ بہ ہنگامِ کمال اچھا ہے
اس سے میرا مہِ خورشید جمال اچھا ہے
اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے
ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
۵۲۵ قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے
۵ ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے
(بعد از ۱۸۴۷)

(۱۳۷)

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی
نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ صحرا
گر نہیں شمعِ سیہ خانۂ لیلی نہ سہی
ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی
(۱۸۲۱)

(۱۳۸)

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے
کہ اپنے سائے سے سر پاؤں سے ہے دو قدم آگے
قضا نے تھا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت
فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے
خدا کے واسطے داد اس جنون شوق کی دینا
کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے
(۱۸۲۶)

(۱۳۹)

پر ہوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھیئے کیا ہوتا ہے
رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف ۵۲۵
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے
(بعد از ۱۸۴۷)

(۱۴۰)

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے
رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیئے کہ آرزو کیا ہے
(بعد از ۱۸۴۷)

(۱۴۱)

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

Scanned by CamScanner

رات پی زمزم پہ مے اور صبح دم
دھوئے دھبے جامۂ احرام کے

۵۴۰ عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

(بعد از ۱۸۵۳)

(۱۴۲)

پھر اس انداز سے بہار آئی
کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی

ق دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک
اس کو کہتے ہیں عالم آرائی

کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر
روکشِ سطحِ چرخِ مینائی

سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا روئے آب پر کائی

۵۴۵ سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے
چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
بادہ نوشی ہے بادپیمائی

(۱۸۵۵)

(۱۴۳)

رہا آباد عالم اہلِ ہمت کے نہ ہونے سے
بھرے ہیں جس قدر جام و سبو مے خانہ خالی ہے

(۱۸۲۱)

(۱۴۴)

ہوں ز خود رفتۂ بیدائے خیال
بھول جانا ہے نشانی میری

قدرِ سنگِ سرِ رہ رکھتا ہوں
سخت ارزاں ہے گرانی میری

(۱۸۲۶)

Scanned by CamScanner

(۱۴۵)

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی
لکھ دیجیو یارب اسے قسمت میں عدو کی
۵۵۰ اچھا ہے سر انگشت حنائی کا تصور
دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

(۱۸۲۶)

(۱۴۶)

ہے وصل ہجر عالم تمکین و ضبط میں
معشوق شوخ و عاشق دیوانہ چاہیئے
اس لب سے مل ہی جائے گا بوسہ کبھی تو ہاں
شوق فضول و جرأت رندانہ چاہیئے

(۱۸۱۶)

(۱۴۷)

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیئے
یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیئے
چاک مت کر جیب بے ایام گل
کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیئے
۵۵۵ دوستی کا پردہ ہے بے گانگی
منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیئے
اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی
یار ہی ہنگامہ آرا چاہیئے
۵ منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
نا امیدی اس کی دیکھا چاہیئے

(بعد از ۱۸۲۱)

Scanned by CamScanner

(۱۴۸)

ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے
میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

(۱۸۲۱)

(۱۴۹)

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے
۵۶۰ کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے
کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے
کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے
بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے
عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

(۱۸۵۳)

(۱۵۰)

ہے شکستن سے بھی دل نومید یارب کب تلک
آبگینہ کوہ پر عرض گراں جانی کرے
۵۶۵ خط عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد
یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

(۱۸۱۶)

(۱۵۱)

وہ آ کے خواب میں تسکین اضطراب تو دے
ولے مجھے تپش دل مجال خواب تو دے

Scanned by CamScanner

کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا
تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے
پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے
(بعد از ۱۸۲۱)

(۱۵۲)

خوشا اقبال رنجوری عیادت کو تم آئے ہو
فروغ شمع بالیں طالع بیدار بستر ہے
(۱۸۱۶)

(۱۵۳)

۵۷۰ فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابند نے نہیں ہے
ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے
پر تجھ سی کوئی شے نہیں ہے
ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے
ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب
آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے
(۱۸۲۶)

(۱۵۴)

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگہ جو بظاہر نگاہ سے کم ہے
(۱۸۲۶)

(۱۵۵)

۵۷۵ یہ باعث نومیدی ارباب ہوس ہے
غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے
(بعد از ۱۸۳۸)

Scanned by CamScanner

(۱۵۶)

دیا ہے دل اگر اس کو بشر ہے کیا کہیے
ہوا رقیب تو ہو نامہ بر ہے کیا کہیے

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسشِ حال
کہ یہ کہے کہ سرِ رہ گزر ہے کیا کہیے

انھیں سوال پہ زعمِ جنوں ہے کیوں لڑیے
ہمیں جواب سے قطعِ نظر ہے کیا کہیے

حسد سزائے کمالِ سخن ہے کیا کیجے
ستم بہائے متاعِ ہنر ہے کیا کہیے

۵۸۰ کہا ہے کس نے کہ غالب برا نہیں لیکن ۵
سوائے اس کے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہیے

(۱۸۵۳)

(۱۵۷)

ہے کشادِ خاطرِ وابستہ در رہنِ سخن
تھا طلسمِ قفلِ ابجد خانۂ مکتب مجھے

(۱۸۱۶)

(۱۵۸)

نسیمِ مصر کو کیا پیرِ کنعاں کی ہوا خواہی
اسے یوسف کی بوئے پیرہن کی آزمائش ہے

رگ و پے میں جب اترے زہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخیِ کام و دہن کی آزمائش ہے

(۱۸۵۲)

(۱۵۹)

کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

Scanned by CamScanner

۵۸۵ سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامان خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

ہوئے ہیں پانو پہلے ہی نبرد عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہم سفر غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

(بعد از ۱۸۲۱)

(۱۶۰)

وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد
جنون ساختہ و فصل گل قیامت ہے

(۱۸۱۹)

(۱۶۱)

منھ نہ دکھلاوے نہ دکھلا پر بہ انداز عتاب
کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلادے مجھے

(بعد از ۱۸۲۸)

(۱۶۲)

۵۹۰ بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے

ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے
گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے

Scanned by CamScanner

پھر دیکھیے انداز گل افشانیٔ گفتار ۵
رکھ دے جو کوئی پیمانہ وصہبا مرے آگے

۵۹۵ نفرت کا گماں گذرے ہے میں رشک سے گذرا
کیوں کر کہوں لو نام نہ ان کا مرے آگے

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے

ہے موجزن اک قلزم خوں کاش یہی ہو
آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے
(۱۸۵۲)

(۱۶۳)

۶۰۰ نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستم گر ہیں
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے

نہیں ذریعۂ راحت جراحت پیکاں
وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہیے

رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجے
کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے

نہیں نگار کو الفت نہ ہو نگار تو ہے
روانیٔ روش و مستیٔ ادا کہیے

۵ نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے
طراوت چمن و خوبیٔ ہوا کہیے

۶۰۵ سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالب
خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے
(۱۸۵۳)

Scanned by CamScanner

(۱۶۴)

رونے سے اور عشق میں بے باک ہو گئے
دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے تم
بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر
پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہل شوق کا
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

۶۱۰ اس رنگ سے اٹھائی کل اس نے اسد کی نعش ۵
دشمن بھی جس کو دیکھ کے غم ناک ہو گئے

(۱۸۲۶)

(۱۶۵)

نشہ ہا شاداب رنگ و ساز ہا مست طرب
شیشۂ مے سرو سبز و جوئبار نغمہ ہے

(۱۸۱۶)

(۱۶۶)

کلفت افسردگی کو عیش بے تابی حرام
ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے

(۱۸۱۶)

(۱۶۷)

جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہ سخن وا کرے کوئی

عالم غبار وحشت مجنوں ہے سر بسر
کب تک خیال طرۂ لیلیٰ کرے کوئی

Scanned by CamScanner

۶۱۵ افسردگی نہیں طرب انشائے التفات
ہاں درد بن کے دل میں مگر جا کرے کوئی
لخت جگر سے ہے رگ ہر خار شاخ گل
تا چند باغبانی صحرا کرے کوئی
۵ ناکامی نگاہ ہے برق نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسد
پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی
(۱۸۲۱)

(۱۶۸)

چال جیسے کڑی کمان کا تیر
دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
۶۲۰ کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند
کس کی حاجت روا کرے کوئی
جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلا کرے کوئی
(بعد از ۱۸۴۷)

(۱۶۹)

مدعا محو تماشائے شکست دل ہے
آئینہ خانے میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے
نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کف خاک
آسماں بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے
زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے
دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے
(۱۸۱۶)

rekhta

Scanned by CamScanner

(۱۷۰)

۶۲۵ ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہے گا اس کی گردن پر
وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دم بدم نکلے

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

مگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے
ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغ ستم نکلے

۶۳۰ کہاں مے خانہ کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

(۱۸۵۳)

(۱۷۱)

بیضہ آسا ننگ بال و پر یہ ہے کنج قفس
از سر نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

(۱۸۱۶)

(۱۷۲)

جوشش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد
صحرا ہماری آنکھ میں یک مشت خاک ہے

(۱۸۱۶)

(۱۷۳)

سیاہی جیسے گر جاوے دم تحریر کاغذ پر
مری قسمت میں یوں تصویر ہے شب ہائے ہجراں کی

(بعد از ۱۸۲۱ء)

Scanned by CamScanner

(۱۷۴)

دل و دیں نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے
کہ اس بازار میں ساغر متاع دست گرداں ہے

۶۳۵ غم آغوش بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو
چراغ روشن اپنا قلزم صرصر کا مرجاں ہے

(۱۸۱۶)

(۱۷۵)

جس جا نسیم شانہ کش زلف یار ہے
نافہ دماغ آہوے دشت تتار ہے

کس کا سراغ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا
آئینہ فرش شش جہت انتظار ہے

دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی
اے بے دماغ آئینہ تمثال دار ہے

غفلت کفیل عمر و اسد ضامن نشاط
اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

(۱۸۱۶)

(۱۷۶)

۶۴۰ آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

حسرت نے لا رکھا تری بزم خیال میں
گلدستۂ نگاہ سویدا کہیں جسے

پھونکا ہے کس نے گوش محبت میں اے خدا
افسون انتظار تمنا کہیں جسے

سر پر ہجوم درد غریبی سے ڈالئے
وہ ایک مشت خاک کہ صحرا کہیں جسے

Scanned by CamScanner

ہے چشم تر میں حسرت دیدار سے نہاں ۵
شوق عناں گسیختہ دریا کہیں جسے

۶۴۵ غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

(۱۸۱۶)

(۱۶۷)

شبنم بہ گل لالہ نہ خالی ز ادا ہے
داغ دل بے درد نظر گاہ حیا ہے

شعلے سے نہ ہوتی ہوس شعلہ نے جو کی
جی کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے

تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق
آئینہ بہ انداز گل آغوش کشا ہے

خو نے تری افسردہ کیا وحشت دل کو
معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے

۶۵۰ مجبوری و دعوائے گرفتاری الفت ۵
دست تہ سنگ آمدہ پیمان وفا ہے

اے پرتو خورشید جہاں تاب ادھر بھی
سائے کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

بے گانگی خلق سے بیدل نہ ہو غالب
کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

(۱۸۱۶)

(۱۶۸)

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

rekhta

Scanned by CamScanner

۶۵۵ اک خوں چکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی
واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی
آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج
اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی
گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی
۵ کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی
(۱۸۵۱)

(۱۶۹)

۶۶۰ کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
ہے یوں کہ مجھے دُردِ تہ جام بہت ہے
نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں
گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
ہیں اہل خرد کس روش خاص پہ نازاں
پابستگی رسم و رہ عام بہت ہے
زمزم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوف حرم سے
آلودہ بہ مے جامۂ احرام بہت ہے
۵ خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ
رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے
۶۶۵ ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے
(۱۸۵۲)

Scanned by CamScanner

(۱۸۰)

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کیے ہوئے

پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمک داں کیے ہوئے

۶۷۰ پھر بھر رہا ہوں خامۂ مژگاں بخونِ دل ۵
سازِ چمن طرازیِ داماں کیے ہوئے

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صد گلستاں نگاہ کا ساماں کیے ہوئے

پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا
جاں نذرِ دل فریبیِ عنواں کیے ہوئے

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس
زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے

۶۷۵ چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو ۱۰
سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کیے ہوئے

اک نو بہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کیے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیرِ بارِ منتِ درباں کیے ہوئے

Scanned by CamScanner

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کئے ہوئے
(بعد از ۱۸۲۱)

(۱۸۱)

۶۸۰ نوید امن ہے بیداد دوست جاں کے لئے
رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لئے

بلا سے گر مژۂ یار تشنۂ خوں ہے
رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ خوں فشاں کے لئے

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کے لئے

فلک نہ دور رکھ اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں
دراز دستی قاتل کے امتحاں کے لئے

۵ مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لئے

۶۸۵ ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے
(۱۸۴۷)

رباعیات

(۱۸۲)

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سن سن کے اسے سخنورانِ کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل و گر نہ گویم مشکل
(۱۸۲۱)

(١٨٣)

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں
عشاق کی پرسش سے اسے عار نہیں
جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہوگا
کیوں کر مانوں کہ اس میں تلوار نہیں

(١٨٥٤)

(١٨٤)

٦٩٠ ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے
کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے
کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ
وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

(١٨٥٤)

rekhta

Scanned by CamScanner

حصۂ دوم

گنجینۂ معنی

غیر متداول کلام

rekhta

Scanned by CamScanner

قصائد

(۱۸۵)

قصیدۂ حیدری بہ تمہید بہار مغفرت

(متفرق اشعار)

حسرت جلوۂ ساقی ہے کہ ہر پارۂ ابر
سینۂ بے تابی سے ملتا ہے بہ تیغ کہسار

خانۂ تنگ، ہجوم دو جہاں کیفیت
جام جمشید ہے یاں قالب خشت دیوار

اے خوشا فیض ہوائے چمن نشو و نما
بادہ پرزور و نفس مست و مسیحا بیمار

۶۹۵ ہمت نشو و نما میں یہ بلندی ہے کہ سرو
پر قمری سے کرے صیقل تیغ کہسار

پشت لب تہمت خط کھینچے ہے بیجا یعنی
سبزہ ہے موج تبسم بہ ہوائے گفتار

بہ نظر گاہ گلستان خیال ساقی
بے خودی دام رگ گل سے ہے پیمانہ شکار

سایۂ تیغ کو دیکھ اس کے بہ ذوق یک زخم
سینۂ سنگ پہ کھینچے ہے الف بال شرار

رنگ یزگل و جام دو جہاں ناز و نیاز
اولیں دور امامت طرب ایجاد بہار

۷۰۰ جوشش طوفان کرم ساقی کوثر ساغر
نہ فلک آئینہ ایجاد کف گوہر بار
پہنے ہے پیرہن کاغذ ابری نیساں
یہ تنک مایہ ہے فریادی جوش ایثار
موج ابروے قضا جس کے تصور سے دونیم
بیم سے جس کے دل شحنۂ تقدیر فگار
دشت تسخیر ہو گر گرد خرام دلدل
نعل در آتش ہر ذرہ ہے تیغ کہسار
بال رعنائی دم موجۂ گلبن قضا
گردش کاسۂ سم چشم پری آئینہ دار
۷۰۵ گرد رہ اس کی بھریں شیشۂ ساعت میں اگر
ہر نفس راہ میں ٹوٹے نفس لیل و نہار
ذوق بیتابی دیدار سے تیرے ہے ہنوز
جوش جوہر سے دل آئینہ گلدستۂ خار
تیرا پیمانۂ مے نسخۂ ادوار ظہور
تیرا نقش قدم آئینۂ شان اظہار
(۱۸۲۱)

در منقبت

(۱۸۶)

(اقتباس)

دل ناامید کیوں کر بہ تسلی آشنا ہو
جو امیدوار رہیئے نہ بہ مرگ ناگہانی
مجھے بادۂ طرب سے بہ خمار گاہ قسمت
جو ملی تو تلخ کامی جو ہوئی تو سرگرانی

Scanned by CamScanner

بہ ہزار امیدواری رہی ایک اشک باری
نہ ہوا حصول زاری بجز آستیں فشانی

ہمہ یک نفس تپش سے تب و تاب ہجر مت پوچھ
کہ ستم کش جنوں ہوں نہ بہ قدر زندگانی

یہی بار بارجی میں مرے آئے ہے کہ غالب ۵
کروں خوان گفتگو پر دل و جاں کی میہمانی

(۱۸۲۱)

غزلیات

(۱۸۷)

روانی ہائے موج خون بسمل سے ٹپکتا ہے
کہ لطف بے تحاشا رفتن قاتل پسند آیا

(۱۸۱۶)

(۱۸۸)

عالم طلسم شہر خموشاں ہے سربسر
یا میں غریب کشور گفت و شنود تھا

(۱۸۲۱)

(۱۸۹)

پوچھا تھا گرچہ یار نے احوال دل مگر ۷۱۵
کس کو دماغ منت گفت و شنود تھا

(۱۸۲۱)

(۱۹۰)

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشت امکاں کو ایک نقش پا پایا

(۱۸۲۱)

rekhta

Scanned by CamScanner

(۱۹۱)

دیکھتے تھے ہم بہ چشم خود وہ طوفان بلا

آسمان سفلہ جس میں یک کف سیلاب تھا

بے خبر مت کہہ ہمیں بے درد خود بینی سے پوچھ

قلزم ذوق نظر میں آئینہ پایاب تھا

(۱۸۱۶)

(۱۹۲)

بہ صورت تکلف بمعنی تاسف

اسدؔ میں تبسم ہوں پژمردگاں کا

(۱۸۱۶)

(۱۹۳)

۶۲۰ ضعف جنوں کو وقت تپش در بھی دور تھا

اک گھر میں مختصر سا بیاباں ضرور تھا

اے وائے غفلت نگہ شوق ورنہ یاں

ہر پارہ سنگ لخت دل کوہ طور تھا

درس تپش ہے برق کو اب جس کے نام سے

وہ دل ہے یہ کہ جس کا تخلص صبور تھا

(۱۸۲۱)

(۱۹۴)

ربط یک شیرازۂ وحشت ہیں اجزائے بہار

سبزہ بیگانہ صبا آوارہ گل نا آشنا

(۱۸۲۱)

(۱۹۵)

عیادت ہائے طعن آلود یاراں زہر قاتل ہے

رفوئے زخم کرتی ہے بہ نوک نیش عقرب ہا

Scanned by CamScanner

۲۵؎ فنا کو عشق ہے بے مقصداں حیرت پرستاراں
نہیں رفتارِ عمرِ تیز رو پابندِ مطلب ہا

(۱۸۱۶)

(۱۹۶)

شکوۂ یاراں غبارِ دل میں پنہاں کردیا
غالب ایسے گنج کو شایاں یہی ویرانہ تھا

(۱۸۱۶)

(۱۹۷)

مہر بجائے نامہ لگائی بر لبِ پیک نامہ رساں
قاتلِ تمکیں سنج نے یوں خاموشی کا پیغام کیا

(۱۸۱۶)

(۱۹۸)

زمیں کو صفحۂ گلشن بنایا خوں چکانی نے
چمن بالیدنی ہا از رمِ نخچیر ہے پیدا

(۱۸۱۶)

(۱۹۹)

لگے گر سنگ سر پر یار کے دستِ نگاریں سے
بجائے زخم گل برگوشۂ دستار ہو پیدا

(۱۸۱۶)

(۲۰۰)

۳۰؎ قیس بھاگا شہر سے شرمندہ ہو کر سوئے دشت
بن گیا تقلید سے میری یہ سودائی عبث

(۱۸۱۶)

rekhta

Scanned by CamScanner

(۲۰۱)

ہم نے سوزِ خمِ جگر پر بھی زباں پیدا نہ کی
گل ہوا ہے ایک زخمِ سینہ پر خواہانِ داد

(۱۸۱۶)

(۲۰۲)

تو پست فطرت اور خیال بسا بلند
اے طفلِ خود معاملہ قد سے عصا بلند

(۱۸۱۶)

(۲۰۳)

ہجومِ فکر سے دل مثلِ موج لرزاں ہے
کہ شیشہ نازک و صہبا ہے آبگینہ گداز

(۱۸۲۱)

(۲۰۴)

ہے تصور میں نہاں سرمایۂ صد گلستاں
کاسۂ زانو ہے مجھ کو بیضۂ طاؤس و بس

(۱۸۱۶)

(۲۰۵)

اے آرزو شہیدِ وفا خوں بہا نہ مانگ ۔۴۵
جز بہرِ دست و بازوے قاتل دعا نہ مانگ
برہم ہے بزمِ غنچہ بہ یک جنبشِ نشاط
کاشانہ بس کہ تنگ ہے غافل ہوا نہ مانگ

(۱۸۱۶)

(۲۰۶)

ہوں بہ وحشت انتظار آوارۂ دشتِ خیال
اک سفیدی مارتی ہے دور سے چشمِ غزال

Scanned by CamScanner

ہم غلط سمجھے تھے لیکن زخم دل پر رحم کر
آخر اس پردے میں تو ہنستی تھی اے صبح وصال

بے کسی افسردہ ہوں اے ناتوانی کیا کروں
جلوۂ خورشید سے ہے گرم پہلوے ہلال

۴۰، اس جفا مشرب پہ عاشق ہوں کہ سمجھے ہے اسد
مال سنی کو مباح اور خون صوفی کو حلال

(۱۸۱۶)

(۲۰۷)

بقدر حوصلۂ عشق جلوہ ریزی ہے
وگرنہ خانۂ آئینہ کی فضا معلوم

(۱۸۱۶)

(۲۰۸)

تماشاے گلشن تمناے چیدن
بہار آفرینا گنہ گار ہیں ہم

(۱۸۱۶)

(۲۰۹)

میر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب
جس کا دیوان کم از گلشن کشمیر نہیں

(۱۸۲۱)

(۲۱۰)

جس جا کہ پاے سیل بلا درمیاں نہیں
دیوانگاں کو واں ہوس خانماں نہیں

۴۵، گل غنچگی میں غرقۂ دریاے رنگ ہے
اے آگہی فریب تماشا کہاں نہیں

(۱۸۱۶)

Scanned by CamScanner

(۲۱۱)

کس دل پہ ہے عزم صف مژگاں خود آرا
آئینے کے پایاب سے اتری ہیں سپاہیں
دیر و حرم آئینۂ تکرار تمنا
واماندگی شوق تراشے ہے پناہیں

(۱۸۱۶)

(۲۱۲)

بہ زاہداں رگ گردن ہے رشتۂ زنار
سر بپائے بتے نانہادہ رکھتے ہیں
معاف بیہدہ گوئی ہیں ناصحان عزیز
دل بدست نگارے نداده رکھتے ہیں
برنگ سبزہ عزیزاں بدزبان یکدست ۵۰
ہزار تیغ بہ زہراب دادہ رکھتے ہیں

(۱۸۱۶)

(۲۱۳)

ہوں گرمی نشاط تصور سے نغمہ سنج
میں عندلیب گلشن ناآفریدہ ہوں

(۱۸۱۶)

(۲۱۴)

ہے تماشا گاہ سوز ناز ہر یک عضو تن
جوں چراغان دوالی صف بہ صف جلتا ہوں میں

(۱۸۱۶)

(۲۱۵)

خیال سادگی ہائے تصور نقش حیرت ہے
پر عنقا پہ رنگ رفتہ سے کھینچی ہیں تصویریں

Scanned by CamScanner

ہجوم سادہ لوحی پنبۂ گوش حریفاں ہے
وگرنہ خواب کی مضمر ہیں افسانے میں تعبیریں
(۱۸۱۶)

(۲۱۶)

۵۵، دل کو اظہار سخن انداز فتح الباب ہے
یاں صریر خامہ غیر از اصطکاک در نہیں
(۱۸۱۶)

(۲۱۷)

زلف خیال نازک و اظہار بے قرار
یارب بیان شانہ کش گفتگو نہ ہو
(۱۸۱۶)

(۲۱۸)

ابر روتا ہے کہ بزم طرب آمادہ کرو
برق ہنستی ہے کہ فرصت کوئی دم ہے ہم کو
(بعد از ۱۸۲۶)

(۲۱۹)

ہندوستان سایۂ گل پائے تخت تھا
جاہ و جلال عہد وصال بتاں نہ پوچھ
کہتا تھا کل وہ محرم راز اپنے سے کہ آہ
درد جدائی اسداللہ خاں نہ پوچھ
(۱۸۱۶)

(۲۲۰)

۶۰، خلق ہے صفحۂ عبرت سے سبق ناخواندہ
ورنہ ہے چرخ و زمیں یک ورق گرداندہ

rekhta

Scanned by CamScanner

دیکھ کر بادہ پرستوں کی دل افسردگیاں
موج مے مثل خط جام ہے ہر جا ماندہ
خواہش دل ہے زباں کو سبب گفت و بیاں
ہے سخن گرد ز دامان ضمیر افشاندہ
کوئی آگاہ نہیں باطن ہم دیگر سے
ہے ہر اک فرد جہاں میں ورق ناخواندہ

(۱۸۱۶)

(۲۲۱)

ہستی فریب نامۂ موج سراب ہے
یک عمر ناز شوخی عنواں اٹھائیے

(۱۸۲۱)

(۲۲۲)

۷۱۵

عروج نشہ ہے سر تا قدم قد چمن رویاں
بجائے خود وگرنہ سرو بھی مینائے خالی ہے
ہوا آئینہ جام بادہ عکس روئے گل گوں سے
نشان خال رخ داغ شراب پرتگالی ہے
اسد اٹھنا قیامت قامتوں کا وقت آرائش
لباس نظم میں بالیدن مضمون عالی ہے

(۱۸۱۶)

(۲۲۳)

نشۂ مے بے چمن دود چراغ کشتہ ہے
جام داغ شعلہ اندود چراغ کشتہ ہے

(۱۸۱۶)

(۲۲۴)

شوخی اظہار غیر از وحشت مجنوں نہیں
لیلی معنی اسد محمل نشین راز ہے

(۱۸۱۶)

Scanned by CamScanner

(۲۲۵)

۷۷۰ جو کچھ ہے محو شوخی ابروے یار ہے
آنکھوں کو رکھ کے طاق پہ دیکھا کرے کوئی

(۱۸۲۱)

(۲۲۶)

بزم ہستی وہ تماشا ہے کہ جس کو ہم اسد
دیکھتے ہیں چشم از خواب عدم نکشادہ سے

(۱۸۱۶)

(۲۲۷)

کیا ہے ترک دنیا کاہلی سے
ہمیں حاصل نہیں بے حاصلی سے
خراج دیہہ ویراں یک کف خاک
بیاباں خوش ہوں تیری عاملی سے
خدا یعنی پدر سے مہرباں تر
پھرے ہم دربدر ناقابلی سے

(۱۸۲۱)

(۲۲۸)

۷۷۵ رچ گیا جوش صفاے زلف کا اعضا میں عکس
ہے نزاکت جلوہ اے ظالم سیہ نامی تری
بس کہ ہے عبرت ادیب یادگی ہاے ہوس
میرے کام آئی دل مایوس ناکامی تری
ہم نشینی رقیباں گرچہ ہے سامان رشک
لیکن اس سے ناگوارا تر ہے بدنامی تری

(۱۸۱۶)

(۲۲۹)

دیوانگی ہے تجھ کو درس خرام دینا
موج بہار یکسر زنجیر نقش پا ہے

Scanned by CamScanner

فکر سخن یک انشا زندانی خموشی
دود چراغ گویا زنجیر بے صدا ہے

۸۰ موزونی دو عالم قربان ساز یک درد
مصراع نالۂ نے سکتہ ہزار جا ہے

اے غنچۂ تمنا یعنی کف نگاریں
دل دے تو ہم بتا دیں مٹھی میں تیری کیا ہے

(۱۸۲۱)

(۲۳۰)

کریں گر قدر اشک دیدۂ عاشق خود آرایاں
صدف دندان گوہر سے بہ حسرت اپنے لب کاٹے

یقیں ہے آدمی کو دستگاہ فقر حاصل ہو
دم تیغ توکل سے اگر پائے سبب کاٹے

اسد مجھ میں ہے اس کے بوسۂ پا کی کہاں جرأت
کہ میں نے دست و پا باہم بہ شمشیر ادب کاٹے

(۱۸۱۶)

(۲۳۱)

۸۵ خبر نگہ کو نگہ چشم کو عدو جانے
وہ جلوہ کر کہ نہ میں جانوں اور نہ تو جانے

زباں سے عرض تمنائے خامشی معلوم
مگر وہ خانہ بر انداز گفتگو جانے

(۱۸۱۶)

(۲۳۲)

مستعد قتل یک عالم ہے جلاد فلک
کہکشاں موج شفق میں تیغ خون آشام ہے

(۱۸۱۶)

Scanned by CamScanner

(۲۳۳)

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا
آسماں سے بادۂ گلفام اگر برسا کرے

(۱۸۱۶)

(۲۳۴)

عجز و نیاز سے تو نہ آیا وہ راہ پر
دامن کو اس کے آج حریفانہ کھینچئے

(۱۸۱۶)

(۲۳۵)

۹۰، بس کہ سودائے خیال زلف وحشت ناک ہے
تا دل شب آبنوسی شانہ آسا چاک ہے
یاں فلاخن باز کس کا نالۂ بے باک ہے
جادہ تا کہسار موئے چینی افلاک ہے

(۱۸۱۶)

(۲۳۶)

جام ہر ذرہ ہے سرشار تمنا مجھ سے
کس کا دل ہوں کہ دو عالم سے لگایا ہے مجھے

(۱۸۱۶)

(۲۳۷)

کمال حسن اگر موقوف انداز تغافل ہو
تکلف برطرف تجھ سے تری تصویر بہتر ہے

(۱۸۱۶)

(۲۳۸)

خواب غفلت بہ کمیں گاہ نظر پنہاں ہے
شام سائے میں بہ تاراج سحر پنہاں ہے

Scanned by CamScanner

۷۹۵ خلوتِ دل میں نہ کر دخل بجز سجدۂ شوق
آستاں میں صفتِ آئینہ در پنہاں ہے
وہم غفلت مگر احرام فسردن باندھے
ورنہ ہر سنگ کے باطن میں شرر پنہاں ہے
(۱۸۱۶)

(۲۳۹)

گدائے طاقتِ تقریر ہے زباں تجھ سے
کہ خامشی کو ہے پیرایۂ بیاں تجھ سے
فسردگی میں ہے فریادِ بے دلاں تجھ سے
چراغِ صبح و گلِ موسمِ خزاں تجھ سے
بہارِ حیرتِ نظارہ سخت جانی ہے
حنائے پائے اجل خونِ کشتگاں تجھ سے
۸۰۰ نیاز پردۂ اظہارِ خود پرستی ہے
جبینِ سجدہ فشاں تجھ سے آستاں تجھ سے
۵ اسد طلسمِ قفس میں رہے قیامت ہے
خرام تجھ سے صبا تجھ سے گلستاں تجھ سے
(۱۸۱۶)

(۲۴۰)

زندگی میں بھی رہا ذوقِ فنا کا مارا
نشہ بخشا غضب اس ساغرِ خالی نے مجھے
بس کہ تھی فصلِ خزانِ چمنستانِ سخن
رنگِ شہرت نہ دیا تازہ خیالی نے مجھے
جلوۂ خور سے فنا ہوتی ہے شبنم غالب
کھو دیا سطوتِ اسمائے جلالی نے مجھے
(بعد از ۱۸۲۱)

Scanned by CamScanner

حصۂ سوم

باد آورد

نو دریافت کلام

rekhta

Scanned by CamScanner

غزلیات

(۲۴۱)

۸۰۵ بوسۂ لب سے ملی طبع کو کیفیتِ حال
مے کشیدن سے مجھے نشۂ تریاک چڑھا
میں جو گردوں کو بہ میزانِ طبیعت تولا
تھا یہ کم وزن کہ ہم سنگ کفِ خاک چڑھا
(۱۸۱۶)

(۲۴۲)

یہ آتشِ ہمسایہ کہیں گھر نہ جلاوے
کی ہے دلِ سوزاں نے مرے پہلو میں جا گرم
غیروں سے اسے گرم سخن دیکھ کے غالب
میں رشک سے جوں آتشِ خاموش رہا گرم

(۱۸۱۶)

(۲۴۳)

اسد اندیشۂ ششدر شدن ہے
نہ پھریئے مہرہ ساں خانہ بخانہ
(۱۸۱۶)

(۲۴۴)

۸۱۰ اے دریغا کہ نہیں طبع نزاکت ساماں
ورنہ کانٹے میں تلے ہے سخن سنجیدہ

(۱۸۱۶)

Scanned by CamScanner

(۲۴۵)

ہوئی یک عمر صرف مشق نالہ
اثر موقوف بر عمر دگر ہے

(۱۸۱۶)

(۲۴۶)

نذرہ مژہ کر دل و جگر کو
چیرے ہی سے جائیں گے یہ پھوڑے

(بعد از ۱۸۱۶)

rekhta

Scanned by CamScanner

حصۂ چہارم

یادگار نالہ

غیر مجموعہ کلام

rekhta

Scanned by CamScanner

قطعات

(۲۴۷)

(اقتباس)

بس کہ فعال ما یرید ہے آج
ہر سلح شور انگلستاں کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے
زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے
گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
کوئی واں سے نہ آ سکے یاں تک
آدمی واں نہ جا سکے یاں کا
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا
وہی رونا تن و دل و جاں کا

۸۱۵

(۱۸۵۷)

rekhta

Scanned by CamScanner

(۲۴۸)

(اقتباس)

خوشی ہے یہ آنے کی برسات کے
پئیں بادۂ ناب اور آم کھائیں
سر آغاز موسم میں اندھے ہیں ہم
کہ دلی کو چھوڑیں لوہارو کو جائیں
سوا ناج کے جو ہے مطلوب جاں
نہ واں آم پائیں نہ انگور پائیں
وہ کھٹے کہاں پائیں املی کے پھول
وہ کڑوے کریلے کہاں سے منگائیں ۸۲۰
فقط گوشت سو بھیڑ کا ریشے دار ۵
کہو اس کو کیا کھا کے ہم حظ اٹھائیں

(۱۸۶۵ — ۱۸۶۶)

Scanned by CamScanner

(۲۴۹)

مثنوی

ایک دن مثل پتنگ کاغذی
لے کے دل سررشتۂ آوارگی
خود بخود کچھ ہم سے کنیانے لگا
اس قدر بگڑا کہ سر کھانے لگا
میں کہا اے دل ہوائے دلبراں
بس کہ تیرے حق میں رکھتی ہے زباں
۸۲۵ بیچ میں ان کے نہ آنا زینہار
یہ نہیں ہیں گے کسو کے یار غار
گورے پنڈے پر نہ کر ان کے نظر ۵
کھینچ لیتے ہیں یہ ڈورے ڈال کر
اب تو مل جائے گی تیری ان سے سانٹھ
لیکن آخر کو پڑے گی ایسی گانٹھ
سخت مشکل ہوگا سلجھانا تجھے
قہر ہے دل ان سے الجھانا تجھے
یہ جو محفل میں بڑھاتے ہیں تجھے
بھول مت اس پر اڑاتے ہیں تجھے
ایک دن تجھ کو لڑا دیں گے کہیں
مفت میں ناحق کٹا دیں گے کہیں
۸۳۰ دل نے سن کر کانپ کر کھا پیچ و تاب
غوطے میں جا کر دیا کٹ کر جواب
رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

(۱۸۰۷)

غزلیات

(۲۵۰)

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد
ڈرتا ہوں آئینے سے کہ مردم گزیدہ ہوں

(۳ مارچ ۱۸۶۷)

(۲۵۱)

میں ہوں مشتاق جفا مجھ پہ جفا اور سہی
تم ہو بیداد سے خوش اس سے سوا اور سہی
کوئی دنیا میں مگر باغ نہیں ہے واعظ
خلد بھی باغ ہے خیر آب و ہوا اور سہی
۸۲۵ کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملالیں یارب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

(۱۸۶۵)

rekhta

Scanned by CamScanner

رباعیات

(۲۵۲)

جن لوگوں کو مجھ سے ہے عداوت گہری
کہتے ہیں وہ مجھ کو رافضی اور دہری
دہری کیوں کر ہو جو کہ ہووے صوفی
شیعی کیوں کر ہو ماوراء النہری

(نومبر ۱۸۵۰)

(۲۵۳)

یاران نبی سے رکھ تولا باللہ
ہر یک ہے کمال دیں میں یکتا باللہ
وہ دوست نبی کے اور تم انکے دشمن
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

(نومبر ۱۸۵۰)

تمام شد

rekhta

Scanned by CamScanner

میرزا اسد اللہ خاں غالب (۱۷۹۷ تا ۱۸۶۹) اردو کے سب سے بڑے شاعروں میں ہیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ انیسویں صدی کے سب سے بڑے ہندوستانی شاعر ہیں۔ ان کے کلام میں انسانی اقدار اور کائناتی مسائل کا اظہار ایسی زبان اور ایسے لہجے میں ہوا ہے جو آج بھی تازہ اور پُر معنی ہے۔ غالب اردو کے ان چند شعرا میں ہیں جن کو بین الاقوامی شہرت ملی ہے اور جن کا کلام عہد بہ عہد کے پڑھنے والوں اور خاص کر عصر حاضر کے پڑھنے والوں کے لیے نئی قوت اور معنویت کا حامل ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی (پیدائش ۱۹۳۵) اردو کے سر برآوردہ نقاد اور شاعر ہیں۔ انھوں نے جدید اور کلاسیکی ادب کا مطالعہ یکساں گہرائی سے کیا ہے۔ غالب کے اس انتخاب میں انھوں نے غیر متداول کلام، قصائد اور قطعات و رباعیات کو بھی جگہ دی ہے۔ اپنے خیال انگیز دیباچے میں انھوں نے عصر حاضر میں غالب کی غیر معمولی مقبولیت کے وجوہ پر بحث کی ہے۔

پچھتر روپے

Scanned by CamScanner